ماہنامہ
بچّوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان

مسلمان بچے

لاہور پاکستان
208
www.musalmanbachay.com
جمادی الثانی ۱۴۴۶ / دسمبر 2024

کوئی ہے!

فلسطین

کامیاب سودا

بوجھ بجھکڑ، رازِ سربستہ
اور سلطان ٹیپو شہید
سمیت ڈھیروں دلچسپ کہانیاں

اعزاز

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مُسلمان بچے

لاہور
پاکستان

بچوں کے
اسلامی، اخلاقی، تعلیمی اور تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

جمادی الثانی ۱۴۴۶ھ بمطابق دسمبر 2024ء

شمارہ: 6 جلد: 18

قیمت فی شمارہ: 70 روپے
سالانہ زرتعاون =/840 روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیلِ رقم اور حصولِ رسالہ کیلئے:

مکتبۃ ابنِ مُبارک

37۔ حق سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں

کامیاب سودا	حمیرا رشید	10
کہانیوں کا درخت	بنت شہزاد	15
صحت کا راز	خنساء جاوید	21
جلد بازی کا فیصلہ	محمد فیصل علی	25
انس نے کیا دیکھا	اُمِّ محمد عبداللہ	40
شیطان کی چال	سیدہ ناجیہ شعیب	44
امام شامل رحمہ اللہ	محمد عروہ	49
شہادت کا تسلسل	محمد ابوبکر حسن	59
فرض	فیض عالم	65
دعاء قبول کیوں نہیں ہوتی	علیشہ مریم	67
ٹیپو سلطان شہید رحمہ اللہ	عبدالحفیظ امیرپوری	69
شہد کی مکھیاں	عبیرہ احمد	75
سکوت شب	حنا نور	79
راہ راست	سعدیہ اجمل	81

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

اور ان لوگوں کی مثال جو محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور اپنے نفسوں کو ایثار و انفاق اور راہِ خدا میں قربانی کا خوگر بنانے کے لئے اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس پھولنے پھلنے والے باغ کی سی ہے جو ٹیکری پر واقع ہو، اس پر جب زوروں کی بارش ہو تو دوگنا چوگنا پھل لائے۔

(البقرۃ)

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی، جس میں تین باتیں پائی جائیں گی: ایک یہ کہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت اس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کے لئے ہو اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اس کو اتنی نفرت اور ایسی اذیت ہو جیسی کہ آگ میں ڈالنے جانے سے ہوتی ہے۔ (مسلم)

حمد باری تعالیٰ

تو ہی ابتدا، تو ہی انتہا، تری شان جلّ جلالہ
تو ہی دو جہاں کا ہے مدعا، تری شان جلّ جلالہ
کہوں کیا میں اس کے سوا؟ تری شان جلّ جلالہ
کوئی آج تک نہ سمجھ سکا، تری شان جلّ جلالہ
تری عظمتوں کا نشان ہیں، تری رفعتوں کا بیان ہیں
یہ شجر، حجر، یہ چمن، گھٹا، تری شان جلّ جلالہ
یہ جمال حسن و شباب سب، یہ تجلیاں، یہ گلاب سب
یہ چمک ہے کیا، یہ دمک ہے کیا، تری شان جلّ جلالہ
تری خوشبوئیں، تری نکہتیں، ہمہ جہت ہیں تری آیتیں
جہاں رخ کیا، تھا یہی لکھا، تری شان جلّ جلالہ
تو جلیل بھی، تو رحیم بھی، تو بے نیاز، کریم بھی
ہے بشر کا ہادی و رہنما، تری شان جلّ جلالہ

نعت رسول مقبول ﷺ

بدر الدجیٰ ہے نور الہدیٰ ہے صلّ علیٰ محمد ﷺ
خیر الوریٰ ہے بعد از خدا ہے صلّ علیٰ محمد ﷺ
تو کیوں کھڑا اور کیا سوچ رہا ہے
ذوق و شوق سے تو بھی کہہ برملا صلّ علیٰ محمد ﷺ
ورد ہمارا ہو صبح و مساء دائماً ابداً
گونج اٹھے یہ ساری فضا صلّ علیٰ محمد ﷺ
غفلت سے ہر سو تاریکی و ظلمت ہے
نام پاک سے نورِ ضیاء سے صلّ علیٰ محمد ﷺ
ہزار غموں میں گھرا ہو گر کوئی
سب کے لئے یہی آسراء ہے صلّ علیٰ محمد ﷺ
عجب نغمۂ جانفزا اور دل ربا ہے
لاج رکھ لے عاجز کی آقا میرے
نسخہ یہ اکسیر و کیمیا ہے صلّ علیٰ محمد ﷺ

ایک دُعا یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَسَکَرَاتِ الْمَوْتِ

ترجمہ: اے اللہ! موت کی شدت اور سختی سے میری مدد فرمائیے۔

(ترمذی)

ایک حدیث یاد کیجئے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ، لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، پس اس پر ظلم نہ کرے اور نہ ظلم ہونے دے۔ (رواہ البخاری)

انتخاب: بنت غوری

مسجد اقصیٰ کی حفاظت

غفلت سے نکل دین کی دعوت کے لیے اُٹھ
اب گنبد صخریٰ کی حفاظت کے لیے اُٹھ

ظالم کے شکنجے سے چھڑا اہل وفا کو
مظلوم زمانہ کی حمایت کے لیے اُٹھ

جو جسم عرب کے لیے ناسور بنا ہے
اس خطہ موذی کی جراحت کے لیے اُٹھ

مرکوز تری سمت ہیں امت کی نگاہیں
ایوبی کے فرزند قیادت کے لیے اُٹھ

آقا کی غلامی کا اگر پاس ہے تجھ کو
آقائے مدینہ کی نیابت کے لیے اُٹھ

دے ارض فلسطین کو نذرانہ لہو کا
صہیونی ریاست کی ملامت کے لیے اُٹھ

القدس سے آتی ہے صدا مرد مسلماں
اُٹھ مسجد اقصیٰ کی حفاظت کے لیے اُٹھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

آپ غزہ کو بھول تو نہیں گئے؟

ہر گز مت بھولئے ۔ یہ ایمان کا مسئلہ ہے ۔اور صرف غزہ نہیں ہم اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے سچے امتی ہیں اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ہمارا ایمان سچا ہے تو دنیا بھر کا ہر مسلمان ہمارا ایمانی بھائی ہے اور ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم ان میں سے کسی کی تکلیف کو بھول جائیں۔

یہ ایمان تو نہیں کہ ہم جب میڈیا پر کسی ظلم کی خبر گرم دیکھیں تو غمگین ہو جائیں اور جیسے جیسے ذرائع ابلاغ پر وہ خبر دھیمی پڑتی جائے ہمارے جذبات بھی سرد ہوتے جائیں ۔جوں جوں یاد دہانی کم ہوتی جائے ہم بھی بھولتے جائیں اور خبر پرانی ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری دلی ہمدردیاں اور اخوۃ بھی کمزور پڑتی جائے۔

یہ تو ہمارا ان مسلمانوں سے تعلق نہ ہوا میڈیا اور خبر سے تعلق ہو گیا۔لا حول ولا قوۃ الا باللہ جبکہ ہمارے لئے تو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یہ ہے ہم دوسرے مسلمانوں کے مسائل کی ہمیشہ فکر کریں۔

کوئی مسلمان مظلوم ہو، ہماری مدد و نصرت کا محتاج ہو اور ہم سے مدد کا تقاضا کرے تو ہم فوراً اس کی مدد کریں ۔کم از کم اس کی فکر تو ضرور کریں اور اس سے اس تکلیف کو دور کرنے میں جو کردار ادا کر سکیں کر گذریں۔

اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو وہ اس جسد ملی کا حصہ نہیں رہتا اس سے کٹ جاتا ہے یا ایک بے کار مفلوج عضو کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

من لم یھتم بامور المسلمین فلیس منا

ترجمہ: جو مسلمانوں کے معاملات کی پرواہ نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

غزہ والے اپنی جانوں، اپنے گھروں، اپنے بچوں اور اپنے آرام و راحت کی قربانی ایمان کی بنیاد پر دے رہے ہیں۔

وہ یہ قربانی قبلہ اول کے لیے دے رہے ہیں جو صرف ان کا نہیں پوری امت کا مسئلہ ہے۔

وہ یہ قربانی جہاد فی سبیل اللہ کے مبارک عمل اور عظیم فریضے کو زندہ رکھنے کے لئے دے رہے ہیں۔

لہٰذا باقی تمام امت کا فرض ہے کہ وہ ان کا احسان مانے۔

ان کی قدر کرے۔ ان سے ایمان و عزیمت سیکھے، ان سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور رسول اللہ ﷺ کے دین کے ساتھ وفاداری کا سبق لے۔ ان سے مقدسات اسلام کی حرمت کا درس لے۔

ان کی مدد کرے۔ ان کے لئے دعاء کرے اور ہر دن دل کی گہرائی سے ان کے ساتھ اور ان کے عظیم مشن کے ساتھ رہے۔

یہ سبق خود بھی یاد رکھیں اور دوسروں کو بھی مسلسل یاد دلاتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو اسامہ

حمیرا رشید

کامیاب سودا

آیئے یحییٰ السنوار کی طرح ہم بھی رب سے دنیا کی زندگی کے بدلے آخرت کا کامیاب سودا کریں

مریم نے جیسے ہی انٹرنیٹ آن کیا۔ حماس کے قائد یحییٰ السنوار کی شہادت کی خبر سوشل میڈیا پر گردش کر رہی تھی۔ لیکن ابھی تک کنفرم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ سچ ہے؟؟

☆☆☆☆☆

اسے ہاسپٹل میں آئے آج چوتھا دن تھا۔ بے چینی و بے قراری عروج پر تھی۔ کبھی اپنے آس پاس مریضوں کو دیکھتی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی کہ میں ان سے بہتر ہوں۔

آج عصر کے بعد ڈرپ ختم ہوئی۔ کچھ دیر گزری نرس کمرے میں داخل ہوئی اور ڈرپ اتارنے لگی۔ اکثر و بیشتر وہی اس کے کمرے میں آتی تھی۔

کچھ لمحے ہی گزرے راؤنڈ پر ڈاکٹر خالد بھی کمرے میں داخل ہوئے۔

خولہ جو انگریزی کتاب "Purpose Of Life" پڑھنے میں مصروف تھی۔ اچانک ڈاکٹر کی آمد پر چونک گئی اور جلدی جلدی کتاب سائیڈ پر رکھ دی۔

"کیا آپ اب خود کو بہتر محسوس کر رہی ہیں؟؟؟...."

کمرے میں داخل ہوتے ہی ڈاکٹر خالد بولے۔

"جی جی الحمدللہ!!!...."

یہ شاید اس نے اس لیے بھی کہا تھا کہ وہ یہاں سے جلد از جلد نکلنا چاہتی تھی۔ مریم نے التجائیہ نظروں سے ڈاکٹر خالد کو دیکھا اور گویا ہوئی:

"میں کئی دنوں سے یہاں قید ہوں۔ یہاں

دم گھٹ رہا ہے میں کچھ دیر کھلی فضا میں جانا چاہتی ہوں۔ کیا مجھے اس کی اجازت مل سکتی ہے؟؟؟....''

''جی ضرور۔لیکن اپنے ساتھ کسی کو لے کر جائیے گا۔''

''میں کچھ دیر تنہا وقت گزارنا چاہتی ہوں... میں چاہتی ہوں میرے آس پاس کوئی نہ ہو...'' مریم روہانسے انداز میں بولی۔

''ٹھیک ہے۔ بریرہ پھر آپ اس کے آس پاس ہی رہیے گا...'' ڈاکٹر خالد نے بریرہ کو تاکید کی۔

بریرہ اور مریم یونیورسٹی فیلوز ہونے کے ساتھ ساتھ گہری سہیلیاں بھی تھی۔

آزادی کا پروانہ ملتے ہی مریم کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ورنہ کمرے سے باہر جانے کی اجازت تک نہ تھی۔اپنی کتابیں سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

مغرب کی اذان ہوتے ہی وہ بوجھل قدموں سے جائے نماز لیے ہاسپٹل کے لان میں آگئی۔ نرم نرم گھاس پر نرم جائے نماز بچھائے اس پر بیٹھ گئی۔کتنا سکون محسوس ہو رہا تھا اسے رب کے سامنے آتے ہی۔ یہاں آکر ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ جاتے۔اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی تو وہ آنسو بہاتی۔

نماز کے بعد دونوں ہاتھ دعاء کے لیے اُٹھائے، اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا نہیں گیا۔ ہاتھ اٹھتے ہی آنسو گرنا شروع ہو گئے، یونہی کچھ دیر ہاتھ پھیلائے وہ بیٹھی رہی۔ دعاء کے لیے لب نہیں ہل رہے تھے گویا دل دعائیں مانگ رہا تھا۔

''بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔''

پوری دعاء میں لب صرف ایک ہی بار ہلے۔اس کی پسندیدہ دعا تھی جسے یہ پڑھنا کبھی نہ بھولی۔

وہ دعا یہ ہے:

''اللھم بارک لی فی الموت وفی ما بعد الموت''

ترجمہ: اے اللہ! مجھے موت میں برکت عطاء فرما اور موت کے بعد جو ہونا ہے اس میں بھی برکت عطا فرما۔

کچھ دیر پہلے کتاب میں یہی پڑھ کر آرہی تھی:

''انسان ایک دائمی مخلوق ہے۔ اس کی زندگی دو مراحل میں تقسیم ہے: موت سے پہلے کی زندگی اور موت کے بعد کی زندگی۔موت سے پہلے کی زندگی تیاری کا دور ہے اور موت کے بعد کی زندگی اعمال کے مطابق انعام کا دور ہے۔اس لیے، ہر مرد اور عورت کو اس حقیقت کو سمجھنا چاہیے، کیونکہ اسی پر ان کا ابدی مستقبل منحصر ہے۔''

کتاب کے الفاظ ذہن میں آتے ہیں مریم نے خود سے ہم کلامی کی:

''کیا میں موت سے پہلے کی زندگی کی تیاری

کر رہی ہوں؟؟...

نہیں نہیں۔میری تو کچھ بھی تیاری نہیں لیکن میں حقوق العباد کا اپنی طرف سے پورا خیال رکھنے کی کوشش کرتی ہوں۔ میرے الفاظ سے، میرے وجود سے کسی کو تکلیف نہ ہو، ہاں البتہ حقوق اللہ میں بہت کمیاں ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پوری امید ہے۔"

دعا کے بعد اس کا بوجھل دل ہلکا ہو گیا۔اکتوبر کی ہوا چل رہی تھی۔خاموشی تنہائی، اس کی پسندیدہ تھی۔اس نے شکر کیا کہ اس کے ساتھی افراد اس کے ساتھ نہیں۔ورنہ پھر ہدایات کا ایک لمبا لیکچر شروع ہو جاتا۔

مریم کو پھول بے حد پسند تھے۔ ہاسٹل میں بھی اکثر اس کے بیڈ پر پھول ہوتے۔شام کا وقت تو اکثر اس کا باغیچے میں گزرتا۔یہاں بھی لان میں پھولوں پر نظر پڑی۔ دیکھتے ہی سرخ پھولوں کی کیاری کی جانب بڑھی اور وہیں گھاس پر بیٹھ گئی۔

اپنی پسندیدہ عربی نشید "تحیلیکم" سننے لگی۔

جب سے مریم ہاسپٹل میں داخل ہوئی۔ سماجی رابطے والا موبائل بند تھا۔یونیورسٹی اور باقی لوگوں سے رابطہ منقطع تھا۔

حالات حاضرہ سے واقف رہنے کے لیے صرف دوسرا موبائل ہی اب وہ استعمال کرتی۔ یہاں اس کا کسی سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔سوشل میڈیا پلیٹ فارم "فیس بک، ایکس" پر اکا دکا کے علاوہ اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔اسی لیے وہ بغیر کسی فکر کے آگاہی کے لیے وہ "ایکس اور فیس بک" آن کرتی۔

حسب معمول آج جب آن کیا۔وہاں کی فضا سوگوار تھی۔شہادت کی خبریں سرگرداں تھی۔

یحییٰ السنوار کی تصویر جو ایک ملبے میں تھے۔ شہید ہو گئے۔اسرائیلی میڈیا نے خبر جاری کی۔

"ہم نے یحیٰی السنوار کو مار ڈالا۔لیکن حماس کی جانب سے ابھی تک تا حال کوئی بیان جاری نہیں ہوا۔"

یہ دیکھتے ہی دو موٹے موٹے آنسو جو پہلے ہی نکلنے کے لیے بے تاب تھے اس کے گالوں پر بہہ گئے۔

کاااش یہ خبر درست نہ ہو۔کوئی آئے اور اس کی تردید کر دے۔

خولہ نے جلدی سے ایکس پر غزہ کے سینئیر صحافیوں کی ٹویٹس کو دیکھنا شروع کیا۔

کچھ صحافی اس کی تصدیق کر رہے تھے۔ یہ تصاویر اور ویڈیوز جو آرہی ہیں۔ یہ یحییٰ السنوار ہی ہیں۔

اسرائیلی میڈیا کو خود بھی یقین نہیں آرہا تھا، ان سے وہ شخص اتفاق سے غزہ کے جنوب رفح کی سرزمین میں شہید ہو گیا۔جس نے ناکوں چنے چبوائے ہوئے تھے۔دشمن کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں، جو سات اکتوبر سے لے کر اب تک غزہ کی

سرزمین پر گھومتا رہا۔

اسی کیفیت میں بریرہ کب اس کے پاس آ کر کھڑی ہوئی اسے پتہ نہ چلا۔

بریرہ کے ہاتھ میں اخبار کا ایک ٹکڑا تھا۔

''مریم!!! میری پاس ایک خوشخبری ہے۔''بریرہ نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔

تم مفتی تقی عثمانی صاحب کی کتاب ''Islam and Modernism'' (اسلام اور جدت پسندی) پر انگلش میں تبصرہ لکھ کر آئی تھی نا۔آج بین الاقوامی اخبار ''The Dawn'' نے اسے شائع کیا ہے۔

مریم نم آنکھوں سے مسکرائی، لیکن پتہ نہیں کیوں کچھ خاص بولی نہیں اس پر۔ بریرہ سمجھ رہی تھی۔ بیماری کی وجہ سے اسے اب اس میں دلچسپی نہیں رہی۔

''مریم!!! بیماری کی وجہ پریشان ہو، اللہ تعالیٰ اس آزمائش سے بھی تمہیں نکالے گا۔'' بریرہ کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولی۔

خولہ جواباً خاموش رہی، اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

''اے چمکتی آنکھوں والی خوبصورت لڑکی!!! تم رو رہی ہو؟؟؟....تم کب ہمت ہار گئی۔ تم تو بہت پرعزم ہو نا....''

اسے لگا کہ دو ماہ ہو گئے ہیں مسلسل تکلیف میں رہنے کی وجہ سے شاید آج یہ اپنا ضبط کھو بیٹھی ہے۔

آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں گرتی جا رہی تھیں اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے خولہ نے پھر سے وہ تصویر نکالی۔

''آؤ میں تمہیں کچھ دکھاتی ہوں۔'' بریرہ کو لگا شاید اس کی آج میڈیکل رپورٹ آنی تھی۔ وہ ٹھیک نہیں آئی ہونگی اب وہ دکھانے لگی ہے۔

لیکن یہ تو کسی شہید کی تصویر تھی۔

''بریرہ! آپ جانتی ہیں... یہ کون ہیں؟؟''

''نہیں..''

''یہ زخمی بازو، سر پر گہرا زخم، شہادت کی کٹی ہوئی انگلی... یہ حماس کے قائد (یحییٰ السنوار شہید) ہیں...'' مریم بولی۔تصویر کو زوم کیا۔ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی:

''کس قدر دلکش ہے ناں یہ زخمی بازو؟''

آزادی کی فضا میں پرواز کرنے پر ابھارنے والا، حق کی راہوں میں لذت و سرور کا نشان، دلوں میں شوق شہادت کو بیدار کرنے والا، جہاد کے شعلوں کو بھڑکاتا ہوا بازو...''

پھر اس نے وہ ویڈیو نکالی جو ریلیز کی گئی۔ شہید ملبے میں تھے۔یقین دہانی کے لیے یہ ویڈیو لی گئی۔کیونکہ وہ خود حیران تھے۔ایک قائد کیسے پہلی صف میں لڑ رہا تھا۔

ویڈیو دیکھ کر ایک سرد آہ بھری!

''آہ!!!

عظمت و سعادت کے مقدس غبار سے اٹا چہرہ، جس نے اپنی روح کو رفعت بخشی اور امت مسلمہ کی شان کو بلند کیا۔

اے بطل عزیمت!!

جن لوگوں نے عزت کا لباس اتار پھینکا اور ذلت کا چغہ پہن لیا وہ کہاں آپ کے مرتبے کو پہچان سکتے ہیں.. اس کا اشارہ مسلمان عرب حکمران تھے۔"

بریرہ بغور مریم کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

کمزوری سے اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ جو اب اپنی بیماری کو بھول چکی تھی۔ رونے کی وجہ جس کی آنکھیں سرخی مائل ہوگئی۔ جو اس کے جذبوں کو مزید پرکشش بنا رہی تھی۔

کس قدر والہانہ محبت ہے اس کی جہاد سے، غزہ فلسطین اور کشمیر کے مظلوم بہن بھائیوں سے۔

مریم نے موبائل کی سکرین آف کی اور زیرِ لب ترنم سے یہ اشعار پڑھنے لگی۔

وہ پیکر اُلفت وہ ملنسار مسیحا
پھر ایک مجاہد نے چمن خون سے سینچا
پھر ایک شہید اور صفِ رزم سے اُبھرا
پھر ایک جواں جنت فردوس میں پہنچا

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر خالد بھی اسی تنظیم کا حصہ تھے۔ جس سے مریم اور بریرہ وابستہ تھیں۔ لیکن پیشے کے لحاظ سے وہ ڈاکٹر تھے۔ حال ہی میڈیکل کی ڈگری مکمل کرنے بعد ہاؤس جاب کر رہے تھے۔

ڈاکٹر خالد، مریم کے نام کو پہلے سے ہی جانتے تھے، اس کی نصابی، غیر نصابی سرگرمیوں سے بخوبی واقف تھے۔ ایک ہی تنظیم کا حصہ ہونے کے باوجود دونوں کا کبھی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ مریم ایک چھپا ہوا چہرہ تھی۔ جو کبھی سامنے نہیں آئی۔

پہلا باضابطہ سامنا تب ہوا۔ جب تنظیم سے ڈاکٹر خالد کو کال ریسیو ہوئی۔

"مریم اچانک بے ہوش ہوگئی ہے آپ کے ہاسپٹل میں آ رہی ہے۔ اس کے چہرہ زرد پڑ چکا ہے۔ اس کی حالت ایسی ہے اگر بروقت اسے خون نہ ملا تو شاید وہ زندگی کی بازی ہار جائے....

اب جب وہ ہاسپٹل میں آئی تو یہ اس کی دوسری ملاقات تھی۔

ڈاکٹر خالد بھی سوشل میڈیا پر تصاویر اور ویڈیوز دیکھ کر وہاں آگئے۔ جہاں مریم اور بریرہ تھی۔

مریم، بریرہ اور ڈاکٹر خالد اب تینوں ایک ہی لان میں موجود تھے۔

یحیی السنوار پر گفتگو جاری تھی۔ ان کی عزیمت کے تذکرے ہو رہے تھے۔

ڈاکٹر خالد نے اسرائیلی میڈیا پر جاری ہونے والی خبر دیکھی جس میں ذکر تھا:

"زخموں سے بدن چور ہونے کے باوجود

بقیہ صفحہ 26 پر

کہانیوں کا درخت

بنت شہزاد

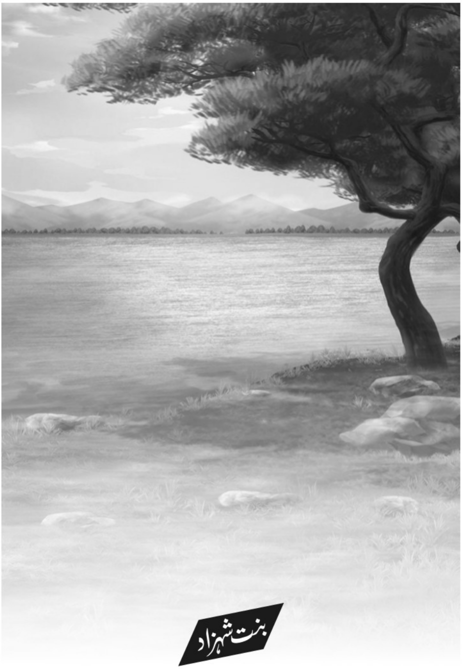

پہاڑوں اور سنہرے کھیتوں کے درمیان واقع گاؤں میں کچھ دوست رہتے تھے جو وہاں موجود قدیم اور گھنے درخت کے نیچے جمع ہونے کے شوقین تھے۔

گاؤں والے اس درخت کو "کہانیوں کا درخت" کہتے تھے، یہ درخت کئی نسلوں کا امین تھا۔ اس کی شاخیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں، جو وہاں آنے والوں کو سایہ اور بیٹھنے کی جگہ فراہم کرتی تھیں۔ ایک طرح سے اس جگہ کو گاؤں کی چوپال کی حیثیت حاصل تھی۔

یہ دوست روزانہ یہاں اپنے ساتھ کتابیں، قلم، اور تھوڑی سی کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتے اور دیر تک درخت کی کہانیاں سنتے رہتے۔

یہ گروپ چار بچوں پر مشتمل تھا۔ علی، جو سب سے بڑا اور پرسکون مزاج کے لیے جانا جاتا تھا، ہر مشکل کو اسی فطرت کی مدد سے چٹکیوں میں حل کر دیتا۔ فاطمہ، جو دل کی بہت نرم اور ہمیشہ دوسروں کی مدد کرنے کی خواہش رکھتی تھی۔ حسن، ایک خاموش طبع لڑکا جو لکھنے پڑھنے اور تصویریں بنانے کا شوق جنون کی حد تک رکھتا تھا اور عائشہ، ان سب سے چھوٹی، جس کے

تجسس کی کوئی حد نہیں تھی۔

ان کے ساتھ اکثر ان کے استاد بابا عبدالحمید بھی ہوتے، جو گاؤں کے ایک بزرگ تھے۔ پرانی کہانیاں سنانا اور بچوں کو زندگی، ایمان، اور حکمت کے بارے میں سکھانا پسند کرتے تھے۔

یہ ایک خوبصورت خزاں کی دوپہر تھی اور یہ گروپ حسب معمول درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ سورج کی روشنی درخت کی شاخوں سے چھن کر زمین پر رقص کرتی ہوئی پڑ رہی تھی، ہوا میں کھیتوں سے آنے والی پکی ہوئی گندم کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ آج بابا عبدالحمید اپنے ساتھ ایک پرانی کتاب ساتھ لائے تھے۔ کتاب کا سرورق بوسیدہ ہو چکا تھا لیکن اس کے اندر بے شمار کہانیاں، مہمات اور حکمتیں پوشیدہ تھیں۔

"میرے پیارے بچو! ہم ایک کہانی پڑھیں گے جو مہربانی اور سخاوت کے بارے میں ہے" بابا عبدالحمید نے کتاب کھولتے ہوئے کہا۔ سب بچے ان کے گرد جمع ہو گئے اور بے تابی سے انتظار کرنے لگے کہ بابا کہانی شروع کریں۔ حسن نے ہمیشہ کی طرح اپنی نوٹ بک نکال لی، تاکہ کوئی بات اس کی توجہ حاصل کرے تو وہ اسے لکھ سکے۔

بابا عبدالحمید نے گلا صاف کیا اور کہانی شروع کی:

"بہت عرصہ پہلے، ایک دور دراز علاقے میں ایک شخص بلال رہتا تھا جو ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتا تھا۔ بلال کوئی امیر آدمی نہیں تھا، لیکن اس کا دل اتنا مہربان اور سخاوت بھرا تھا کہ گاؤں کا ہر شخص اسے پسند کرتا تھا۔ ہر دن بلال کے پاس جو کچھ بھی ہوتا تھا، اسے وہ دوسروں میں بانٹ دیتا تھا۔ اگر کوئی بھوکا ہوتا، تو بلال اسے کھانا پیش کرتا۔ اگر کوئی تھکا ہوا ہوتا، تو وہ اسے اپنے گھر میں آرام کرنے کی دعوت دیتا۔ باوجود اس کے کہ اس کے پاس بہت کم تھا، وہ ہمیشہ دوسروں کو دیتا تھا۔

ایک دن، ایک اجنبی گاؤں میں آیا۔ وہ سادہ کپڑوں میں ملبوس تھا اور اس کا چہرہ سالوں کی مسافرت سے تھکا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اجنبی نے گاؤں والوں سے کھانا اور پانی مانگا، لیکن اکثر لوگوں نے اسے یہ سوچ کر انکار کر دیا کہ اس کے پاس بدلے میں دینے کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔ جب اجنبی نے بلال کے دروازے پر دستک دی، تو بلال نے اسے گرمجوشی سے خوش آمدید کہا۔

"براہ کرم اندر آجائیں" بلال نے کہا۔

"میرے پاس زیادہ کچھ نہیں ہے، لیکن جو کچھ میرے پاس ہے، وہ میں آپ کو خوشی کے ساتھ دے دوں گا۔"

بلال نے اجنبی کے لیے روٹی اور سبزی کا سادہ سا کھانا تیار کیا۔ جب وہ ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، تو اجنبی نے پوچھا۔

"تم دوسروں کو اتنا سب کچھ کیوں دیتے ہو، حالانکہ تمہارے اپنے پاس بہت کم مال و دولت ہے؟"

بلال نے مسکرا کر کہا۔

"جب ہم دوسروں کو دیتے ہیں، تو وہ ہمیں غیر متوقع طریقوں سے واپس ملتا ہے۔ سخاوت کا اندازہ اس بات سے نہیں لگایا جاتا کہ ہم کیا دیتے ہیں، بلکہ اس سے کہ ہم کس نیت سے دیتے ہیں۔"

اجنبی نے سوچتے ہوئے سر ہلایا، اور کھانے کے بعد اس نے بلال کا شکریہ ادا کیا اور چلا گیا۔

اگلے دن، بلال نے اپنے دروازے پر سونے کے سکوں کی ایک چھوٹی سی تھیلی دیکھی۔ اس کے ساتھ ایک نوٹ بھی تھا جس میں لکھا تھا:

"آپ کی مہربانی کا شکریہ۔ یہ تحفہ اس مسافر کی طرف سے ہے جس کی آپ نے مدد کی۔ آپ کی سخاوت ہمیشہ دوسروں کے لیے ایک مثال بنی رہے گی۔"

بلال بہت خوش ہوا، پیسوں کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس لیے کہ اس کی مہربانی کا کسی کو تو احساس ہوا تھا اور اس کی وجہ بلال کی زندگی میں آسانیاں آچکی تھیں۔"

بابا عبدالحمید نے کہانی ختم کر کے کچھ لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی تاکہ بچے کہانی کو سمجھ کر اس کے مطابق سوال کر سکیں۔ بچے خاموش بیٹھے رہے، تمام اس کہانی کے بارے میں سوچ رہے تھے جو ابھی انہوں نے سنی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، اس کہانی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟" بابا عبدالحمید نے بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

علی، جو سب سے بڑا تھا، سب سے پہلے بولا۔

"میرے خیال میں کہانی میں سبق یہ ہے کہ کسی کے ساتھ کی گئی مہربانی کا بدلہ ہمیں غیر متوقع طریقوں سے واپس مل سکتا ہے۔ یہ اس بات پر منحصر نہیں کہ ہمارے پاس کتنا ہے، بلکہ اس پر کہ ہم اپنے پاس جو کچھ ہے، اسے کیسے خرچ کرتے ہیں؟"

فاطمہ نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

"ہاں، اور کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے نیک اعمال کسی دوسرے کے لیے بہت اہم ہو سکتے ہیں۔"

حسن، جو خاموشی سے اپنی نوٹ بک میں ڈرائنگ کر رہا تھا، نے سر اٹھایا اور کہا۔

"یہ اس بارے میں ہے کہ ہمیں سخاوت کرنی چاہیے، چاہے ہمارے پاس دینے کے لیے زیادہ کچھ نہ ہو۔ بلال کے پاس زیادہ نہیں تھا لیکن اس نے اجنبی کو پھر بھی دیا جو اس کے پاس تھا کیونکہ اسے پتا تھا کہ یہی درست طریقہ ہے۔"

بابا عبدالحمید نے بچوں کی باتوں پر مسکراتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔

"بالکل ٹھیک۔ اصل سخاوت دل سے ہوتی

ہے اور یہی وہ اچھی صفت ہے جسے ہم سب اپنا سکتے ہیں، چاہے ہمارے پاس تھوڑا ہو یا زیادہ۔"

عائشہ، جو بہت غور سے ساری باتیں سن رہی تھی، نے ہاتھ اٹھایا۔

"لیکن باباجی! ہم یہ کیسے جان سکتے ہیں کہ ہم اپنے وسائل کے مطابق ٹھیک سخاوت کر رہے ہیں؟"

بابا عبدالحمید نے نرمی سے ہنستے ہوئے کہا۔

"سخاوت کا کوئی پیمانہ نہیں ہے، پیاری عائشہ! یہ اس بات پر منحصر نہیں کہ ہم کتنا دیتے ہیں، بلکہ اس پر کہ ہم دوسروں کو جو کچھ دیتے ہیں اس سے وہ کیسا محسوس کرتے ہیں؟ جب تم محبت اور خلوص سے کچھ دیتے ہو، تو وہ دوسرے کے لیے کافی ہوتا ہے چاہے مقدار میں کم ہی کیوں نہ ہو۔"

بچے خاموشی سے بیٹھے کہانی اور اس کے مطالب پر غور کرتے رہے۔ سورج غروب ہو رہا تھا، اور سنہرے کھیتوں پر نرم سی روشنی پھیل رہی تھی، ہوا میں ٹھنڈک کا احساس غالب تھا۔ دن کا اختتام قریب تھا، اور بابا عبدالحمید نے کھڑے ہو کر کتاب بند کر دی۔

"یاد رکھو! میرے پیارے بچو! زندگی کی سب سے اہم چیزیں وہ نہیں جو ہم ہاتھوں میں تھامتے ہیں، بلکہ وہ ہیں جو ہمارے دلوں میں ہوتی ہیں۔ مہربانی، محبت، اور سخاوت یہ وہ خزانے ہیں جو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گے۔"

بچے اپنی چیزیں سمیٹ کر کھڑے ہو گئے اور جانے کے لیے تیار تھے۔ لیکن جانے سے پہلے، فاطمہ نے پوچھا۔

"بابا عبدالحمید! کیا ہم کل پھر یہاں آسکتے ہیں ایک اور کہانی سننے کے لیے؟"

بابا عبدالحمید نے خوش دلی سے مسکرا کر کہا۔

"بالکل۔ کہانیوں کا درخت تمہیں ہمیشہ خوش آمدید کہے گا، جب تک تم سننے اور سیکھنے کے لیے تیار رہو گے۔"

اس کے ساتھ ہی پورا گروپ گاؤں کی طرف چل پڑا، اور پیچھے کھیتوں کی سنہری فصل ہوا میں جھوم رہی تھی۔

☆☆☆☆

فضائل درود شریف

جب انسان درود شریف پڑھتا ہے تو گویا وہ اس کے ذریعے نبی کریم ﷺ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ درود شریف پڑھنے والے شخص کی عمر اس کے عمل اور رزق میں برکت آتی ہے۔ جب کوئی بندہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو تر و تازگی اور زندگی عطا کرتا ہے۔ جب کوئی نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اس کی تعریف کرتا ہے۔

شام کے چار بج رہے تھے۔امی کچن میں مصروف تھیں۔پانچ سالہ رفیدہ اپنے سات سالہ بھائی انصر کے ساتھ کھیل رہی تھی۔اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔

انصر اور رفیدہ دروازے کی طرف دوڑے۔یہ ان کے ابو کے گھر آنے کا وقت تھا۔وہ اندازہ لگا چکے تھے کہ دروازے پر ابو ہی ہوں گے۔

انہوں نے پہلے تو دروازے پر لگی میجک آئی سے باہر دیکھا۔ان کے ابو باہر موجود تھے اور ان کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا لفافہ جھول رہا تھا۔یہ دیکھ کر تو ان پر جوش سوار ہو گیا۔انہوں نے جھٹ دروازہ کھول دیا۔

''السلام علیکم ابو جان!'' دونوں بیک زبان بولے تھے۔

''وعلیکم السلام بچو!''

''ابو! آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟''

ان کی بے تابی دیکھ کر ابو مسکرائے اور بولے:

''صبر کرو! مجھے دم تو لینے دو ذرا!''

ابو کی بات سن کر وہ دونوں سر ہلانے لگے اور ابو کے پیچھے چلتے ہوئے کمرے میں آ گئے۔ابو سکون سے صوفے پر بیٹھ گئے اور اس بڑے لفافے میں سے دو پیکٹ نکالے۔پیکٹ دیکھتے ہی دونوں بہن بھائی خوشی سے جھوم اٹھے۔یہ پیکٹ ان کے کھلونوں کے تھے۔

انصر کے پیکٹ میں فوجی جوان تھے جو مختلف پوزیشنز میں کھڑے تھے۔اسے فوجیوں والے کھلونے بہت اچھے لگتے تھے۔ان فوجیوں کے ساتھ کچھ اسلحہ بھی تھا۔پلاسٹک کے چھوٹے چھوٹے پستول، کلاشن کوف اور بم وغیرہ۔

رفیدہ کے لیے ڈاکٹر والا کھلونا سیٹ تھا۔اس میں ڈاکٹر کا اسٹیتھو اسکوپ، بلڈ پریشر اپریٹر مشین، انجیکشن اور دیگر سرجیکل سامان تھا۔

دونوں کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے۔

''ابو! آپ کا بہت شکریہ!''

یہ کہہ کر دونوں اپنے کمروں میں بھاگ

پڑے۔انہوں نے ان کھلونوں سے کھیلنا بھی تو تھا۔

☆☆☆☆☆☆

رات کے آٹھ بجے تھے۔امی بچوں کے کمرے کے قریب سے گزریں تو کمرے سے سسکیوں کی آوازیں سنائی دیں۔وہ چونک گئیں۔انہوں نے دروازے پر دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔سامنے کا منظر دیکھ کر وہ گھبرا گئیں۔انصر اور رفیدہ اپنے کھلونے پھیلائے بیٹھے تھے اور وہ ہلکی ہلکی سسکاریاں بھرتے ہوئے رو رہے تھے۔

"کیا ہوا بچو؟"

وہ ان کے نزدیک بیٹھ گئیں اور انہیں پیار کرنے لگیں۔بچے بدستور روتے رہے۔

"کیا کھلونے ٹوٹ گئے؟"

امی نے اندازہ لگایا اور پھر نظر گھمائیں۔کھلونے تو ٹھیک ٹھاک پڑے تھے۔البتہ ایک فوجی کی ٹانگ پر سفید کپڑا بندھا تھا جیسے اس کی مرہم پٹی کی گئی ہو۔

"ارے بتاؤ! تو ہوا کیا ہے؟"

امی نے الجھن کے عالم میں پوچھا۔

"امی! انصر کے فوجیوں نے یہودیوں کے خلاف جہاد کیا ہے۔اس نے اپنے سارے فوجی اور اسلحہ اپنے فلسطینی بھائیوں کی مدد کے لیے دے دیا ہے۔میں نے زخمی فوجیوں کی مرہم پٹی بھی کی ہے مگر۔۔۔۔۔"

یہاں تک کہتے ہوئے رفیدہ کے منہ سے سسکاری نکل گئی۔اس کی امی درد و الم کی تصویر بنی اسے تک رہی تھی۔دروازے کے باہر کھڑے اس کے ابو بھی اپنی آنکھوں میں نمی محسوس کر رہے تھے۔

رفیدہ پھر بولنے لگی:

"مگر جب ہم نے سات بجے والا خبر نامہ سنا تو اس میں بتایا گیا کہ یہودیوں نے پھر سے بمباری کر کے فلسطینی بھائیوں کو شہید کر دیا ہے۔تب میں اور انصر بھائی کمرے میں آ گئے اور ہمیں رونا آ گیا۔"

رفیدہ رونے لگی۔انصر کی سسکاریاں بھی کمرے میں گونجنے لگی تھیں۔

امی اور ابو بھی بے بسی کی تصویر بنے رو رہے تھے۔

کمرے میں پڑے ہوئے بے جان کھلونے فوجی اسلامی ممالک کی لاکھوں افواج کے سربراہان کے لیے ایک سوالیہ نشان بنے ہوئے تھے کہ کیا زندہ وجود رکھنے والے فوجی، طاقت کے مالک فوجی، پالیسی ساز سربراہان افواج، ان بے جان کھلونوں جیسا اعزاز کبھی پا سکیں گے؟

☆☆☆☆☆☆

صحت کا راز

خنساء جاوید

پیارے بچو! کیا آپ کو پتا ہے، اللہ نے ہمیں ایک ایسے قیمتی نسخے سے نوازا ہے جس میں ہماری صحت کا راز پوشیدہ ہے.. اگر نہیں تو یہ کہانی پڑھ کر آپ کو ضرور معلوم

چلیں شروع

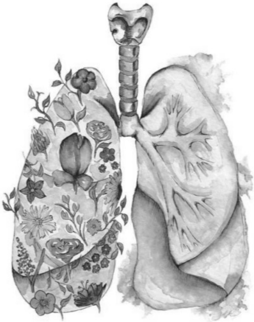

کرتے ہیں۔

اسکول کی گھنٹی بجی تمام طالبِ علم اپنی اپنی نشست پر کتابیں، کاپیاں اور پین پینسلیں نکالے بیٹھے تھے۔

سر عبید کمرہ جماعت میں داخل ہوئے تو تمام طالبات نے آداب سے

''السلام علیکم سر!''

''وعلیکم السلام!''

''تمام طالبات کھانے کے آداب و سنتوں والا سبق نکالیں آج ہم کھانے کی سنتیں

پڑھیں گے" سر عبید نے سنجیدگی سے سب کو دیکھتے بلند آواز میں کہا تو تمام طالبات میں ایک ہلچل سی مچ گئی جبکہ سر بلیک بورڈ پر ہیڈنگ ڈالنے لگے۔

"ارے نہیں!! دوبارہ سے سنتیں نہیں.." حمزہ سر پکڑتے بولا تو برابر والی نشست پر براجمان رحیم بولا۔

"کیا نہیں؟؟"

"پھر سے سنتیں نہیں!! سر اس سبق کو تقریباً تین مرتبہ پڑھا چکے ہیں دوبارہ سے وہی سبق.."

"ہممم!! کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو مسٹر عبید اسلامیات کے کوئی نا کوئی سبق کے ساتھ سنتوں کا درس دینا نہیں بھولتے۔ پانی کی، سونے کی، نہانے کی سنتوں پر کتنی مرتبہ تبصرہ ہو چکا ہے..اور تو اور اس پر عملی نمونہ بھی پیش کیا تھا ریحان نے.."

"ہممم!! اور سر نے اس کی کتنی تعریفیں کی تھی" حمزہ نے چڑتے ہوئے بڑبڑایا اور دوبارہ سر کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"کھانے کی سنتیں کیا کیا ہیں؟ سب بلند آواز میں دوہرائیں۔" سر عبید نے بلند آواز میں کہا تو سب ایک ایک کر دوہراتے بولے۔

"کھانا کھانے سے پہلے منہ اور ہاتھ دھونا چاہیے۔

کھانا کھانے سے پہلے بسمہ اللہ پڑھنا چاہیے

کھانا سیدھے ہاتھ سے کھانا چاہیے۔

کھانا چبا چبا کر کھانا چاہیے۔

کھانے کے بعد شکر الحمد للہ پڑھنا چاہیے۔"

☆☆☆☆☆☆

رات کے آٹھ بجے سب دستر خوان پر بیٹھے کھانے کے منتظر تھے..امی نے آج چکن کڑاہی بنائی تھی۔ کڑاہی کی مزیدار سی خوشبو پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔

حمزہ کب سے کھانے کے انتظار میں بیٹھا کچن کی طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔

"برخوردار!! ذرا صبر کرو..کھانا آجائے گا.." دادا جان نے حمزہ کی بے صبری کو نوٹ کرتے کہا تو وہ بس سر ہلاتے رہ گیا۔

"چلو! بچو جب تک کھانا آرہا ہے تم سب کھانے کا وضو کر لو..پھر کھانا کھانے بیٹھنا.." احمد صاحب حمزہ، علی، میرب کو دیکھتے بولے تو وہ سب سر ہلاتے کھڑے ہوگئے۔ جبکہ حمزہ منہ بنائے بیٹھا رہا..وہ ان سب چیزوں سے جیسے چڑنے لگا تھا، وہ سنتیں ادا کرتے کرتے اب عاجز آنے لگا تھا کہ بھئی سنت ادا کرنے سے ہوتا کیا ہے۔

"حمزہ! میں نے تم سے بھی کہا ہے"

"پر ابو!"

"پر، ور کچھ نہیں بیٹا! یہ صحت کے لئے مفید ہے۔ اگر ہم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اطوار و طریقے کو اپنائیں گے تو ہمہاری صحت بھی تندرست رہے گی اور ہم بیماریوں سے بھی بچے رہیں گے" احمد صاحب نے پیار سے سمجھاتے

ہوئے کہا تو وہ منہ بناتے اٹھ گیا اور غصے سے ہاتھ منہ دھونے لگا۔ جبکہ امی اب کھانا ٹیبل میں سجانے لگیں، کھانا لگنے کے بعد حمزہ چکن کڑاہی پر جیسے ٹوٹ ہی پڑا۔

امی: ”حمزہ! دھیرے دھیرے کھاؤ! کھانا بھاگے نہیں جا رہا..“

حمزہ (لقمہ نگلتے ہوئے): ”امی!! کھانا بہت مزیدار بنا ہے.. مجھ سے صبر نہیں ہو رہا..“

دادا جان (پیار سے سمجھاتے ہوئے):

”بیٹا!! اگر آپ اس طرح کھاؤ گے تو سارا کھانا ہمارے پیٹ میں ایک جگہ جمع ہو جائے گا جس سے قبض، گیس اور درد ہوگا.. آپ ایک ایک لقمے کو اچھے سے چبائیں تاکہ یہ پیٹ میں جمع نا ہوں..“

دادا جان کی بات سن کر حمزہ محض سر ہلاتے رہ گیا۔ وہ لقمے کھا نہیں رہا تھا جلدی جلدی نگل رہا تھا اور اتنی تیزی سے کھا رہا تھا کہ سب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

میرب و علی اسے افسوس سے دیکھ رہے تھے کہ وہ کسی بھی سنت پر عمل نہیں کر رہا تھا۔ دراصل اسے یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ سنتیں ادا کیوں کی جاتی ہیں؟ اس کے اساتذہ نے اسے بہت بار سمجھایا بھی تھا کہ سنتیں ادا کرنے سے ہمیں جسمانی اور روحانی بہت فوائد حاصل ہوتا ہے لیکن وہ سمجھتا ہی نہیں تھا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ جیسے ہی پانی کا گلاس اٹھانے لگا احمد صاحب اسے غصے سے گھورنے لگے۔

”حمزہ! کھانے کے بعد پانی نہیں پیتے .. پیٹ باہر نکل آتا ہے..“ امی نے اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے کھڑا ہوا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

اسکول کی گھنٹی بجی تو سب بچے اپنے اپنے ٹفن کے ساتھ گراونڈ میں چلے گئے۔

حمزہ کی طبیعت آج کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ اسے آج صبح سے پیٹ میں درد ہو رہا تھا۔ پہلے پہل ہلکا تھا اس لئے اس نے دھیان نہیں دیا لیکن اب بہت زیادہ ہونے لگا تو وہ ایک بینچ پر بیٹھتے سر جھکا گیا۔ اس کا دوست وقاص اس کے پاس آتے ہی حیران ہوتے ہوئے بولا۔

”ارے حمزہ! تم یوں سر جھکائے کیوں بیٹھے ہو؟“

”وقاص! میرے پیٹ میں بہت درد ہے“

”کیا ہوا تمہیں؟ درد زیادہ تو نہیں ہو رہا؟ آؤ سر عبید کے پاس چلتے ہیں وہ کوئی نا کوئی دوا دے دیں گے، تمہیں افاقہ ہو جائے گا۔“

”نہیں بس! ہمت نہیں ہو رہی...“ حمزہ ابھی بول ہی رہا تھا کہ اسے ایک دم متلی سی ہوئی اور اس نے الٹی کردی۔

”تمام بچے اس کے گرد جمع ہو گئے جبکہ

وقاص اس کے پاس کھڑا اس کی پیٹھ سہلا رہا تھا۔
"عمر!! جلدی سے سر عبید کو بلا لاؤ..!" وقاص نے سنجیدگی سے کہا تو عمر سر ہلاتے چلا گیا۔
تھوڑی دیر بعد سر عبید آئے تو حمزہ کی حالت دیکھ کر فوراً اسے میڈیکل روم لے گئے اور اس کا معائنہ کرنے لگے۔ ساتھ میں اسے ایک دوا بھی دی جس سے حمزہ کو جلد آرام آجائے۔ وقاص بھی اس کے ساتھ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔
"وقاص! آپ اپنی کلاس میں جائیے.. یہ تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو کر کلاس میں آجائے گا.."
"جی سر!" وقاص یہ کہہ کر چلا گیا جبکہ حمزہ میڈیکل روم کے بستر میں لیٹا چھت کو گھورتا رہا۔
تھوڑی دیر میں ہی حمزہ کو پیٹ کے درد میں کمی محسوس ہونے لگی، اب درد سے کافی افاقہ ہو گیا تھا۔
"سر! اب میری طبیعت تھوڑی بہتر ہوئی ہے.."
سر عبید نے اسے کچھ پل دیکھا اور پھر نرم لہجے میں بولے:
"کل کھانے میں کیا بنا تھا؟"
"وہ... سر چکن کڑاہی.."
"کل رات آپ نے کھانا کچھ زیادہ ہی کھا لیا ہوگا۔ ساتھ میں کھانے کو اچھے سے نا چبانے کی وجہ سے پیٹ میں کھانا ایک جگہ جمع ہو گیا جس کی وجہ سے اسے اگلنے کے لئے مجھے آپ کو یہ دوا دینی پڑی..اور آخری بات یہ کہ کھانا کھانے کے فوراً بعد آپ بستر میں لیٹ گئے ہونگے جس سے وہ صحیح طریقے سے ہضم بھی نہیں ہو سکا۔"
"جی سر!" سر عبید کی باتیں سن کر حمزہ خجل سا ہو گیا۔
"حمزہ! آپ نے سنت پر عمل نہیں کیا۔ تو آپ تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ میں جانتا ہوں کلاس کے باقی اور بچے بھی سنتیں ادا نہیں کرتے اور سوچتے ہیں کہ میں انہیں ہر روز سنتیں کیوں پڑھاتا اور سکھاتا ہوں تاکہ وہ ایک صحت مند زندگی گزار سکیں۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل ہمیں صرف ثواب نہیں پہنچاتے بلکہ فائدے بھی دیتے ہیں لیکن ہم سمجھیں تب ناں.."
سر عبید اسے پیار سے سمجھاتے گئے جبکہ حمزہ سر جھکائے سنتا رہا۔
آج اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا اور دادا جان کی وہ بات یاد آئی تھی جو وہ اکثر کرتے رہتے تھے۔
"سنت پر عمل کرنا ہمارے مسلمان ہونے کی شناخت ہے۔ سنت ایک ایسا تحفہ ہے جس میں خیر ہی خیر موجود ہے۔"

☆☆☆☆☆☆

حدیث کہانی

جلد بازی کا فیصلہ

محمد فیصل علی

قسط: 14

یہ دیہی علاقہ تھا۔صبح کے نو بج رہے تھے۔ کسان اپنے اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔

ان میں سے ایک چچا احمد بھی تھے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ کھیت میں فصل جمع کر رہے تھے۔

کھیت کے قریب ہی ایک گھنا سائے دار درخت تھا۔اس درخت کے سائے تلے ان کا ننھا منا پھول سا بیٹا سو رہا تھا۔

دوپہر ہوئی تو چچا نے کام روک دیا اور درخت کی طرف بڑھے تاکہ آرام کر سکیں۔ جیسے ہی وہ درخت کے قریب پہنچے ایک منظر نے ان کا دل لرزا دیا۔

ان کا بیٹا اپنے جھولے سے باہر زمین پر پڑا تھا جبکہ چچا احمد کا کتا پڑا کراہ رہا تھا۔صاف لگ رہا تھا کہ وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہے۔کتے کے دائیں بائیں خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔چچا احمد نے یہ خونیں منظر دیکھا تو دیوانہ وار کتے کی طرف لپکے۔

انہوں نے سوچا کہ کتے نے ان کے بیٹے کو کھا لیا ہے۔ انہوں نے بغیر سوچ سمجھے ، دیکھے بھالے بغیر ، جلد بازی میں اپنی کلہاڑی اٹھائی اور کتے کا سر کاٹ کر اسے ختم کر دیا۔

اچانک ان کے کانوں میں ان کے دوست کی آواز پڑی:

”بچہ محفوظ ہے شکر الحمدللہ“

اسی وقت ایک اور آدمی بولا:

”سانپ بہت خطرناک تھا مگر کتے نے اپنی جان پر کھیل کر سانپ کا مقابلہ کیا۔بے چارہ کتا!“

اس کی بات سن کر چچا احمد کا سر جھک گیا۔وہ سمجھ گئے تھے کہ بے چارے کتے نے تو ان کے بیٹے کو سانپ سے بچایا تھا اور انہوں نے جلد بازی میں اپنے وفادار کتے کو ہی مار ڈالا۔چچا احمد کے ذہن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گردش کرنے لگا:

اَلْاَنَاۃُ مِنَ اللّٰہِ وَالْعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ

(ترمذی ، کتاب البر والصلۃ ، باب ما جاء فی التانی والعجلۃ ، رقم: 2013)

ترجمہ : صبر خدا کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

بقیہ: کامیاب لوگ

اس حالت میں بھی جانباز نے عمارت میں گھسنے والے فوجیوں پر دستی بم پھینکا...‘‘

پھر ایک فوٹیج سامنے آئی:

عمارت میں ایک ڈرون بھیجا گیا۔ اس سے ملنے والی فوٹیج میں دیکھا گیا۔ صوفے پر بیٹھے ہوئے شیر نے منہ ڈھانپا ہوا تھا تاکہ اس کی پہچان نہ ہوسکے۔ شہادت کی کٹی ہوئی انگلی، زخمی بازو جسے اس نے ایک رسی سے باندھ رکھا ہے۔ پھر ساٹھ سالہ اس مردِ مجاہد نے اپنی بدن میں موجود تمام بچی کچھی طاقت کو یکجا کر کے ڈرون کی طرف ایک چھڑی پھینکی تاکہ وہ اسے ریکارڈ نہ کرسکیں۔ یہ کسی مووی کا منظر نہیں تھا۔ یہ اسلام کا جانباز تھا۔ یہ فوٹیج دنیا کے لیے ایک پیغام بن گئی۔

’’اپنے حق کے لیے لڑو، چاہے لکڑی کے ایک ٹکڑے سے ہی کیوں نہ لڑنا پڑے...‘‘

یوں وہ ستارہ خون کے آخری قطرے تک لڑتے ہوئے ہمیشہ کے لیے کہکشاں ہوگیا۔ اس نے ذلت پر عزت کو ترجیح دی اور امر ہوگیا۔

’’یہ کیسا جنون ہے یہ کیسی لگن ہے۔ قیادت فرنٹ لائن پر موجود ہے۔ ورنہ قیادت ہمیشہ پیچھے رہتی ہے اور جنگ پر نظر رکھتی ہے....‘‘ بریرہ یہ سب دیکھ کر بولی۔

’’بریرہ!!! یہ بہت دور اندیش لوگ ہیں۔ اس سب سے ثابت ہوتا ہے اسے اگر تسلی نہ ہوتی کہ پیچھے معاملہ سنبھالنے والے پوری طرح موجود ہیں تو وہ معرکہ کارزار میں بنفس نفیس نہ اترا ہوتا مطلب، پیچھے بہت کچھ ہے خونِ عرب وہی ہے۔

اس کی جماعت کے پاس قیادتوں کی کمی ہے نہ شہادت کے متوالوں کی، وہ ایک لمبی جنگ کی تیاری کے بغیر میدان میں نہیں اترے....‘‘

ڈاکٹر خالد نے اس پر مزید اپنا تبصرہ کیا۔ ساتھ ہی ایک بار پھر مریم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئی، بریرہ کے کندھے پر اپنا سر رکھ کر رونے لگی۔

’’بے وقوف رو کیوں رہی ہو؟؟؟....‘‘ بریرہ اور ڈاکٹر خالد دونوں بولے۔

’’وہ تو شہید ہوئے ہیں۔ جس کی انہیں تمنا تھی، اس کا تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب میں بھی کیا۔ الفاظ کچھ یوں ہیں:

’’اب وہ وقت آگیا ہے، ماں!

میں نے اپنے آپ کو ان کے ٹھکانوں میں گھس کر حملہ کرتے ہوئے، انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح مارتے ہوئے اور پھر خود کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا اور آپ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنت میں دیکھا اور وہ مجھے یہ کہہ کر پکار رہے تھے۔

’’خوش آمدید، خوش آمدید!‘‘

یہ وہ کلمات ہیں جو شہید قائد یحییٰ السنوار نے اپنے ناول الشوک والقرنفل (پھول اور کانٹے) میں لکھے، جسے انہوں نے 20 سال قبل اسرائیلی

جیل میں اپنی اسیری کے دوران شائع کیا تھا۔

رب العالمین نے ان کے خواب کو پورا کیا۔

شہادت کی تمنا خود نبی کریم ﷺ نے کی اور تم اس شہادت پر پریشان ہو...فوز العظیم پر رو رہی ہو؟ ابھی ابھی تو ان کے لیے جنت کے دروازے کھلے ہیں۔کیا خالق نے کسی اور چیز کو بھی ''فوز العظیم'' کہا ہے؟؟؟...

یحییٰ السنوار دنیا کے اس امتحان میں کامیاب ہو گئے۔'' ڈاکٹر خالد نے مریم کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں!!! میں شہادت پر پریشان ہرگز نہیں، میں امت مسلمہ کی بے حسی پر رو رہی ہوں...اور سوچتی ہوں اس سب میں ہمارا کیا کردار ہے؟؟؟

خالد بھائی!! آپ ویڈیوز میں دیکھتے نہیں، اسرائیل کی آئے روز بمباری، اغواء، بچوں کے اوپر وحشیانہ تشدد، ان کے کٹے پھٹے جسم کے اعضاء لیکن اس سب کے باوجود وہ اپنا دین بچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔کیا یہ سب دیکھ کر دل نہیں پھٹتا؟

گرد و غبار، چیخیں، اوپر سے برستی آگ... ملبے کے ڈھیر۔کیا مسلمانوں کو یہ سب مناظر پریشان نہیں کرتے؟'' مریم بولتی چلی جا رہی تھی

''مجھے شہیدوں کی عزیمت و قربانیاں رلاتی ہیں۔مظلوموں کا خون پکار رہا ہے:

الکفاح، الکفاح...

کیا ہمیں وہ آواز سنائی نہیں دیتی؟ کیا یہ الفاظ امت مسلمہ کو نہیں جھنجھوڑتے؟''

یہ کہتے ہوئے اس کی آواز رندھ گئی۔ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔ بیماری کی وجہ سے اس کی حالت ایسی تھی کہ بولا نہیں جا رہا تھا۔ سانس لینے میں اسے اکثر دشواری ہوتی، باتیں کرتے ہوئے کبھی وہ بسا اوقات لمبا سانس لیتی۔ پھر اپنی بات مکمل کرتی۔ پھر ایک ٹھنڈی سرد آہ بھری اور گویا ہوئی۔

''ہم مسلمان بھی کیسے لوگ ہیں۔ ہم دنیا کی رنگینیوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ جبکہ اس دنیا کو بنانے والا خود ہی اسے دھوکہ کہہ رہا ہے۔

نجانے پھر ہم کس دھوکے میں ہیں۔

''وَ مَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ''

''اور دنیا کی زندگی صرف کھیل کود ہے اور بیشک آخرت والا گھر ڈرنے والوں کے لئے بہتر ہے تو کیا تم سمجھتے نہیں؟

دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے خوبصورت جنت کو تخلیق کر رکھا ہے۔''

''ایسے تو پھر ابو ابراہیم (سنوار) کا سودا کامیاب رہا ہے ناں۔ اہلِ غزہ دنیا کی حقیقت کو سمجھ گئے، تبھی وہ لیلائے شہادت کو گلے لگانے کے

لیے بے تاب رہتے ہیں۔ وہاں کہ بچے بوڑھے، عورتیں، نوجوان... ان کے ایمان کتنے مضبوط ہیں ناں؟" بریرہ بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"ہاں بریرہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو" مریم بولی

"کاااش باقی مسلم ممالک کے بدمست حکمران بھی دنیا کی اس حقیقت کو سمجھ جائیں، آگے بڑھ کر فلسطین اہلِ غزہ کا ساتھ دیں۔ جس طرح اسرائیل کا ساتھ ان کے ہمنوا دے رہے ہیں... کاش اہلِ غزہ کی طرح مسلم حکمران بھی دنیا کی عیش وعشرت کے بدلے آخرت کی ابدی زندگی کا کامیاب سودا کریں...."

یہ کہتے ہوئے مریم اٹھ گئی۔

"مجھ سے مزید یہاں بیٹھا نہیں جا رہا ہے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں" کمزوری سے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھیں۔

"اوہو!!! باتوں میں، میں بھول ہی گیا۔ یہ بیمار ہے..." ڈاکٹر خالد گویا ہوئے۔

"مجھے بھی وقت کا اندازہ نہیں ہوا۔" بریرہ بولی اور پھر مریم کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف چل دی۔

ڈاکٹر خالد وہیں بیٹھے مریم کی باتوں پر غور کر رہے تھے۔ کتنی نرم دل، پختہ عزائم کی مالک ہے۔ جہاد کا جذبہ موجزن ہے۔ اس کی سوچ عام انسانوں سے مختلف ہے۔ جب کبھی وہ کسی موضوع پر بولتی ہے۔ اس کے الفاظ دل کی گہرائیوں میں اُترتے ہیں۔ تنظیم میں اس کا نام اکثر اس کی ذہانت کی بنا پر لیا جاتا تھا۔ آج اس کو اپنے سامنے بھی دیکھ لیا۔ نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے۔ وہ دونوں جگہ ہی ٹاپر تھی۔ اس کے سینے میں اپنے مظلوم بہن بھائیوں کے لیے میں کتنا درد موجود ہے۔"

میں اکثر سوچتا: "اہلِ غزہ شہید ہیں۔ رب العالمین کے ہاں ان کے بڑے درجات ہیں۔ وہ تو اپنی زندگی کا مقصد جان کر رب کے ہاں سرخرو ٹھہرے۔ انہوں نے تو آخرت کا کامیاب سودا کیا۔

"یحییٰ السنوار شہیدؒ" امت مسلمہ کے لیے ایک زندہ مثال بنا اور ثابت کر دکھایا۔ اس نے رب سے کیسا شاندار سودا کیا۔ عالم اسلام اس کے اس جذبے پر حیران ہے۔

لیکن میں نے کبھی اپنی زندگی کے بارے میں خیال نہیں کیا۔ میری زندگی کا مقصد کیا ہے۔ وہ تو رب کے سامنے بغیر حساب کتاب کے کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن اس سب میں ہم کہاں کھڑے ہیں؟ کیا ہم نے کبھی اس کامیاب سودے کے بارے میں سوچا؟ نہیں سوچا تو ہمیں بھی سوچنا چاہیے تاکہ ہم بھی بغیر حساب کتاب کے رب العالمین کی بارگاہ میں سرخرو ہو سکیں۔

نوٹ: مریم حقیقی کردار ہے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔ قارئین سے درخواست ہے۔ مریم کے لیے خصوصی دعاء کیجیے!

مسلم سائنسدانوں کی حیرت انگیز ایجادات

ہر آئیڈیا کسی بھی ایجاد میں بیج کی طرح ہوتا ہے۔ ہر دریافت، ہر ایجاد، ہر انقلاب، ہر تحریک کے پیچھے کوئی نہ کوئی آئیڈیا کارفرما ہوتا ہے۔ آئیڈیا کسی ایٹم میں پنہاں ایٹمی قوت کی طرح ہوتا ہے، آئیڈیا جتنا طاقت ور ہوگا اس سے جنم لینے والی چیز اتنی ہی کوہ شکن ہوگی۔

آئیڈیاز دوسرے آئیڈیاز سے ہی جنم لیتے ہیں۔ نئے آئیڈیاز کے لئے دانشوروں سے ملنا، گفتگو کرنا، بحث کرنا، کتابیں پڑھنا، مطالعہ کرنا، تنہائی میں غور وفکر کرنا، دوسروں کے آئیڈیاز پر تنقید کرنا اور تنقید کو حوصلے کے ساتھ قبول کرنا، آئیڈیاز کو بیان کرنے کے لئے ہمت ہونا، ہر آئیڈیا کو ضروری سمجھنا اور نوٹ کر لینا، آئیڈیاز کو پرکھنا، یہ سب ضروری عوامل ہیں۔

امریکہ کے رائٹ برادرز سے ایک ہزار سال قبل اندلس کے ایک اسٹرانومر، میوزیشن اور انجنیئر عباس ابن فرناس نے سب سے پہلے ہوا میں اڑنے کی کوشش کی تھی۔ ایک مؤرخ کے مطابق 852ء میں اس نے قرطبہ کی جامع مسجد کے مینار سے چھلانگ لگائی تاکہ وہ اپنے فضائی لباس کو ٹیسٹ کر سکے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے گلائیڈر سے پرندوں کی طرح پرواز کر سکے گا۔ 875ء میں اس نے گلائیڈر سے ملتی جلتی ایک مشین بنائی جس کے ذریعہ اس نے قرطبہ کے ایک پہاڑ سے پرواز کی کوشش کی۔ یہ فضائی مشین اس نے ریشم اور عقاب کے پروں سے تیار کی تھی۔ وہ دس منٹ تک ہوا میں اڑتا رہا مگر اترتے وقت اس کو چوٹیں آئیں کیونکہ اس نے گلائیڈر میں اترنے کے لئے پرندوں کی طرح دم نہ بنائی تھی۔

Dictionary of Scientific)

(page 5, Vol 1,Biography

دنیا کا سب سے پہلا پلینی ٹیریم (Plane tarium) اسلامی سپین کے سائنسدان عباس ابن فرناس (887ء) نے قرطبہ میں نویں صدی میں بنایا تھا۔ یہ شیشے کا تھا اس میں آسمان کی پروجیکشن اس طور سے کی گئی تھی کہ ستاروں، سیاروں، کہکشاؤں کے علاوہ بجلی اور بادلوں کی کڑک بھی سنائی دیتی تھی۔

قدیم یونانی حکماء کا نظریہ تھا کہ انسان کی آنکھ سے شعاعیں (لیزر کی طرح) خارج ہوتی ہیں جن کے ذریعہ ہم اشیا کو دیکھتے ہیں۔ دنیا کا پہلا شخص جس نے اس نظریہ کی تردید کی وہ دسویں صدی کا عظیم مصری ریاضی داں اور ماہر طبیعات ابن الہیثم تھا۔ اس نے ہی دنیا کا سب سے پہلا پن ہول کیمرہ ایجاد کیا۔ اس نے کہا کہ روشنی جس سوراخ سے تاریک کمرے کے اندر داخل ہوتی ہے وہ جتنا چھوٹا ہوگا پکچر اتنی ہی عمدہ (شارپ) بنے گی۔ اس نے ہی دنیا کا سب سے پہلا کیمرہ آبسکیورہ (camera obscura) تیار کیا۔ کیمرا کا لفظ کمرے سے اخذ ہے جس کے معنی ہیں خالی یا تاریک کوٹھڑی۔

علم بصریات پر دنیا کی سب سے پہلی اور شاہکار تصنیف کتاب المناظر ابن الہیثم نے لکھی تھی۔ (Will Durant,Age of Faith)۔

کروی اور سلجمی (spherical/parabolic) آئینوں پر اس کی تحقیق بھی اس کا شاندار کارنامہ ہے۔ اس نے لینس کی میگنی فائنگ پاور کی بھی تشریح کی تھی۔ اس نے اپنی خراد پر آتشی شیشے اور کروی آئینے (curved lenses) بنائے۔ حدبی عدسوں پر اس کی تحقیق اور تجربات سے یورپ میں مائیکروسکوپ اور ٹیلی سکوپ کی ایجاد ممکن ہوئی تھی۔ ابن الہیثم نے محراب دار شیشے (concave mirror) پر ایک نقطہ معلوم کرنے کا طریقہ ایجاد کیا جس سے عینک کے شیشے دریافت ہوئے تھے۔

ابن الہیثم نے آنکھ کے حصوں کی تشریح کے لئے ڈایا گرام بنائے اور ان کی تکنیکی اصطلاحات ایجاد کیں جیسے ریٹنا (Retina)، کیٹاریکٹ (cataract)، کورنیا (Cornea) جو ابھی تک مستعمل ہیں۔ آنکھ کے بیچ میں اُبھرے ہوئے حصہ (پتلی) کو اس نے عدسہ کہا جو مسور کی دال کی شکل کا ہوتا ہے۔ لاطینی میں مسور کو لینٹل (lentil) کہتے جو بعد میں Lens بن گیا۔

ابن الہیثم نے اصول جمود (law of inertia) دریافت کیا جو بعد میں نیوٹن کے فرسٹ لائٹ آف موشن کا حصہ بنا۔ اس نے کہا کہ اگر روشنی کسی واسطے سے گزر رہی ہو تو وہ ایسا راستہ اختیار کرتی جو آسان ہونے کے ساتھ تیز تر بھی ہو۔ یہی اصول صدیوں بعد فرنچ سائنسداں فرمیٹ (Fermat) نے دریافت کیا تھا۔ (ارمان اور حقیقت، عبدالسلام صفحہ 283)

دنیا کی سب سے پہلی پن چکی ایران میں ساتویں صدی میں بنائی گئی تھی۔شہرہ آفاق مورخ المسعودی نے اپنی کتاب میں ایران کے صوبہ سیستان کو ہوا اور ریت والا علاقہ لکھا ہے۔اس نے مزید لکھا کہ ہوا کی طاقت سے باغوں کو پانی دینے کے لئے پمپ پن چکی کے ذریعہ چلائے جاتے تھے۔

خلیفہ ہارون الرشید ایک عالی دماغ انجنیئر تھا۔سوئیز نہر کھودنے کا خیال سب سے پہلے اس کو آیا تھا تاکہ بحیرہ روم اور بحیرہ احمر کو آپس میں ملا دیا جائے۔اس نے عین اس مقام پر نہر کھودنے کا سوچا تھا جہاں اس وقت سوئیز کینال موجود ہے

☆☆☆☆☆

یورپ سے سات سو قبل اسلامی دنیا میں گھڑیاں عام استعمال ہوتی تھیں۔خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے ہم عصر فرانس کے شہنشاہ شارلیمان کو گھڑی (واٹر کلاک) تحفہ میں بھیجی تھی۔ محمد ابن علی خراسانی (لقب الساعتی 1185ء) دیوار گھڑی بنانے کا ماہر تھا۔اس نے دمشق کے باب جبرون میں ایک گھڑی بنائی تھی۔اسلامی سپین کے انجنیئر المرادی نے ایک واٹر کلاک بنائی جس میں گیئر اور بیلنسگ کے لئے پارے کو استعمال کیا گیا تھا۔مصر کے ابن یونس نے گھڑی کی ساخت پر رسالہ لکھا جس میں ملٹی پل گیئر ٹرین کی وضاحت ڈایا گرام سے کی گئی تھی۔جرمنی میں گھڑیاں 1525ء اور برطانیہ میں 1580ء میں بننا شروع ہوئی تھیں۔

☆☆☆☆☆

الجبرا پر دنیا کی پہلی کتاب عراق کے شہرہ آفاق سائنس داں الخوارزمی (850ء) نے لکھی تھی۔اس نے 1 اور صفر کے اعداد 825ء میں اپنی شاہکار کتاب الجبر و المقابلہ میں پیش کئے تھے۔اس سے پہلے لوگ حروف استعمال کرتے تھے۔اس کتاب کے نام سے الجبرا کا لفظ اخذ ہے۔اس کے تین سو سال بعد اطالین ریاضی داں فبیو ناچی (Fibonacci) نے الجبرا یورپ میں متعارف کیا تھا۔الخوارزمی کے نام سے الگورتھم یعنی ایسی سائنس جس میں 9 ہندسوں اور 0 صفر سے حساب نکالا جائے(process used for calculation with a computer) کا لفظ بھی اخذ ہوا ہے۔

☆☆☆☆☆

الخوارزمی دنیا کا پہلا موجد مقالہ نویسی ہے۔ہوا یہ کہ اس نے علم ریاضی پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا اور بغداد کی سائنس اکیڈمی کو بھیج دیا۔اکیڈمی کے سائنسدانوں کا ایک بورڈ بیٹھا جس نے اس مقالے کے بارے میں اس سے سوالات کئے۔ اس کے بعد وہ اکیڈمی کا رکن بنا دیا گیا۔ یونیورسٹیوں میں مقالہ لکھنے کا یہ طریق اب تک رائج ہے۔

مصر کے سائنسداں ابن یونس (1009ء) نے پینڈولم دسویں صدی میں ایجاد کیا تھا۔اس ایجاد سے وقت کی پیمائش پینڈولم کی جھولن (oscillation) سے کی جانے لگی۔اس کی اس زبردست ایجاد سے مکینکل کلاک دریافت ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆

ایران کا محقق زکریاالرازی (925ء) دنیا کا پہلا کیمیا دان تھا جس نے سلفیورک ایسڈ تیار کیا جو ماڈرن کیمسٹری کی بنیادی اینٹ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے ایتھونول بھی ایجاد کیا اور اس کا استعمال میڈیسن میں کیا۔اس نے کیمیائی مادوں کی درجہ بندی (نامیاتی اور غیر نامیاتی) بھی کی۔

زکریاالرازی پہلا آپٹومیٹرسٹ تھا جس نے بصارت فکر اور تحقیقی انہماک سے نتیجہ اخذ کیا کہ آنکھ کی پتلی روشنی ملنے پر ردعمل ظاہر کرتی ہے۔الرازی نے اپنے علمی شاہکار کتاب الحاوی میں گلاؤکوما کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔اس نے چیچک پر دنیا کی پہلی کتاب، الجدری والحسبہ لکھی جس میں اس نے چیچک اور خسرہ میں فرق بتلایا تھا۔اس نے سب سے پہلے طبی امداد (فرسٹ ایڈ) کا طریقہ جاری کیا تھا۔ اس نے عمل جراحی میں ایک آلہ نشتر seton بنایا تھا۔ اس نے ادویہ کے درست وزن کے لئے میزان طبعی ایجاد کیا۔ یہ ایسا ترازو ہے جس سے چھوٹے سے چھوٹا وزن معلوم کیا جا سکتا ہے۔سائنس روم میں یہ اب بھی استعمال ہوتا ہے۔الکحل بھی رازی نے ایجاد کی تھی۔

زکریا الرازی پہلا انسان ہے جس نے جراثیم (bacteria) اور تعدیہ (infection) کے مابین تعلق معلوم کیا جو طبی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔جب اس سے پوچھا گیا کہ بغداد میں کس مقام پر ہسپتال تعمیر کیا جائے تو اس نے تجویز کیا کہ جہاں ہوا میں لٹکا گوشت دیر سے خراب ہو اسی مقام پر ہسپتال تعمیر کیا جائے۔الرازی نے ہی طب میں الکحل کا استعمال شروع کیا۔ اس نے حساسیت اور مناعت (immunology & allergy) پر دنیا کا سب سے پہلا رسالہ لکھا۔اس نے حساسی ضیق النفس (allergic asthma) دریافت کیا۔اس نے ہی ہے فیور (hay fever) دریافت کیا تھا۔

ابوبکر رازی نے کتاب ھیئۃ العالم میں بیان کیا کہ زمین کی شکل کروی ہے ان کے بعد البیرونی نے اپنی تصانیف تحلید نهایات الاماکن اور کتاب الھند میں زمین کی ہیئت پر مدلل انداز میں یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین قطعی طور پر کروی الشکل ہے اور اس کا گول ہونا ایک طبعی ضرورت ہے۔چھٹی صدی ہجری میں ادریسی نے زمین کی گولائی کو بنیاد بنا کر اپنی مشہور تخلیقات پیش کیں۔ان کے بعد زکریا بن محمد القروینی نے بھی

علمی بنیاد پر انکشاف کیا کہ زمین گول ہے۔سمندر میں مدوجزر یا جوار بھاٹا کی توجیہ سے لوگ نابلد تھے، مشہور مسلم سائنسداں ابو معشر بلخی (المتوفی ۲۷۳ھ/ ۸۸۶ء) نے پہلی بار اس کا انکشاف کیا کہ اس کا تعلق چاند کی کشش سے ہے۔

ابو بکر رازی نے نیوٹن سے کئی سو سال قبل کشش ثقل کا نظریہ پیش کیا۔انہوں نے ایک تصنیف کتاب سبب وقوف الارض فی السماء کے عنوان سے تحریر کی،جس میں انہوں نے بتایا کہ زمین کشش کے سہارے فضا میں معلق ہے۔موخر الذکر نے ابو معشر بلخی کے بعد مدوجز کا مطالعہ کر کے بتایا کہ اس کا اصل سبب چاند کی کشش ہے۔انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ سیارے سورج کی کشش کی بنا پر اس کے گرد حرکت کرتے ہیں۔مسلم علماء اس امر سے واقف تھے کہ گرتے ہوئے اجسام کی اسراع کا تعلق ان کی کمیت سے نہیں ہوتا نیز وہ اس سے بھی آگاہ تھے کہ دو جسموں کے درمیان قوت کشش اس وقت بڑھ جاتی ہے۔جب ان کا باہمی فاصلہ کم ہوتا ہے۔

کوپرنیکس سے صدیوں پہلے شام کے سائنسداں علاء الدین ابن شاطر نے تیرھویں صدی میں اس سائنسی مشاہدہ کا انکشاف کیا تھا کہ سورج اگرچہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے مگر اس کے باوجود زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے۔علم ہئیت میں ابن شاطر کی متعدد دریافتوں کا سہرا مغربی سائنسدانوں کے سر باندھا جاتا ہے جیسے سیاروں کی گردش کے بارے میں بھی سب سے پہلے دعویٰ ابن شاطر نے کیا تھا مگر اس کا کریڈٹ کیپلر کو دیا جاتا ہے۔

اصطرلاب کا آلہ اگرچہ یونان میں ایجاد ہوا تھا مگر اس کا سب سے زیادہ استعمال اور اس میں اضافے سب سے زیادہ مسلمانوں نے کئے۔مسلمانوں نے درجنوں قسم کے اصطرلاب بنائے جو ایک ہزار سال گزرنے کے باوجود ابھی تک برطانیہ، امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک کے عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔اصطرلاب ستاروں کو تلاش کرنے اور ان کا محل وقوع کا تعین کرنے کا آلہ ہے۔اس کے ذریعے لوگ صحرا یا سمندر میں راستہ تلاش کرتے تھے نیز اس کے ذریعہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کا وقت بھی معلوم کیا جاتا تھا۔شہرہ آفاق اسٹرانومر عبد الرحمن الصوفی نے دسویں صدی میں اصطرلاب کے ایک ہزار فوائد گنائے تھے۔

☆☆☆☆☆

طبیبوں کی رجسٹریشن کا کام سنان ابن ثابت نے (943ء) بغداد میں شروع کیا تھا۔اس نے حکم دیا کہ ملک کی تمام اطباء کی گنتی کی جائے اور پھر امتحان لیا جائے۔کامیاب ہونے والے 800 طبیبوں کو حکومت نے رجسٹر کر لیا اور پریکٹس کے لئے سرکاری سرٹیفکیٹ جاری کئے۔مطب

چلانے کے لئے لائسنس جاری کرنے کا نظام بھی اس نے شروع کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا میں ڈپلوما دینے اور رجسٹریشن کا سلسلہ شروع ہوگیا جو ابھی تک جاری ہے۔

☆☆☆☆☆

مشاہدہ افلاک کے جامع النظر ماہر محمد بن جابر البتانی (929ء) نے ایک سال کی مدت معلوم کی جو 365 دن، 5 گھنٹے، اور 24 سیکنڈ تھی۔ اس نے سورج کا مدار بھی معلوم کیا تھا۔

☆☆☆☆☆

عبد الرحمن الصوفی پہلا عالمی ماہر افلاک تھا جس نے 964ء میں اینڈرومیڈا گیلیکسی (M31 andromeda galaxy) کو دریافت کیا تھا۔ ہمارے نظام شمسی سے باہر کسی اور سٹار سسٹم کے ہونے کا یہ پہلا تحریری ثبوت تھا جس کا ذکر اس نے اپنی تصنیف کتاب الکواکب الثابت المصور (Book of Fixed Stars) میں کیا۔ یہی کہکشاں سات سو سال بعد جرمن ہئیت دان سائمن (Simon Marius d1624) نے دسمبر 1612ء میں ٹیلی سکوپ کی مدد سے دریافت کی تھی۔

☆☆☆☆☆

علم طب کی آبرو شیخ بوعلی سینا (1037ء) نے سب سے پہلے تپ دق کا متعدی ہونا دریافت کیا تھا۔ شیخ الرئیس نے پانی کے ذریعہ بیماری کے پھیلنے کا بھی ذکر کیا۔ اس نے شہرہ آفاق تصنیف "القانون" میں انکشاف کیا کہ پانی کے اندر چھوٹے چھوٹے مہین کیڑے (مائیکروب) ہوتے جو انسان کو بیمار کر دیتے ہیں۔ اس نے مریضوں کو بے ہوش کرنے کے لئے افیون دینے کا کہا۔ اس نے ہی پھیپھڑے کی جھلی کا ورم (Pleurisy) معلوم کیا۔ اس نے انکشاف کیا کہ سل کی بیماری (Phthisis) متعدی ہوتی ہے۔ اس نے فن طب میں علم نفسیات کو داخل کیا اور دواؤں کے بغیر مریضوں کا نفسیاتی علاج کیا۔ اس نے بتلایا کہ ذیابیطس کے مریضوں کا پیشاب میٹھا ہوتا ہے۔ اس نے سب سے پہلے الکحل کے جراثیم کش (اینٹی سیپٹک) ہونے کا ذکر کیا۔ اس نے ہرنیا کے آپریشن کا طریقہ بیان کیا۔ اس نے دماغی گلٹی (برین ٹیومر) اور معدہ کے ناسور (سٹامک السر) کا ذکر کیا۔ اس نے انکشاف کیا کہ نظام ہضم لعاب دہن سے شروع ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

(جاری ہے)

حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

کوئی ہے؟

اللہ تعالیٰ ہم سب پر ''رحم'' فرمائے..... دل میں شوق اٹھتا ہے کہ مسلمانوں میں تین چیزوں کی زوردار محنت چلائی جائے (۱) کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (۲) اقامتِ نماز (۳) جہاد فی سبیل اللہ..... یہ محنت مسلمان مردوں میں بھی چلے اور عورتوں میں بھی..... مگر دل میں درد محسوس ہوتا ہے کہ کون اس عظیم محنت کو لیکر کھڑا ہو..... سچ یہ ہے کہ ان تین باتوں کو اکٹھے لے کر چلنے کی ضرورت ہے..... کلمہ طیبہ ایسا ہو کہ دل کی گہرائی اور خون کے ذرّات تک میں گھسا ہوا ہو..... یہ عظیم کلمہ ہے..... ''لا الہ الا اللہ'' اس دنیا کا سب سے طاقتور کلمہ ہے..... یہ اس دنیا کا سب سے بڑا سچ ہے..... یہ حقیقی کلمہ ہے..... ایٹم بم وغیرہ کی طاقت اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے..... یہ کلمہ طاقت اور قوت کا عظیم خزانہ ہے..... جو اس کو جتنا زیادہ پڑھتا ہے، جتنا زیادہ سمجھتا ہے اور جتنا زیادہ اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے وہ اُسی قدر زیادہ اس کی طاقت سے فیض یاب ہوتا ہے..... آج کل کے پُرفتن حالات میں ہر مسلمان مرد اور عورت کو روزآنہ کم از کم بارہ سو بار..... ''لا الہ الا اللہ'' کا ورد کر لینا چاہیے..... اس سے ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے اور باطن میں نور اور ایمانی قوت پیدا ہوتی ہے..... ایک صاحب کو شوق تھا کہ اُنہیں چالیس دن تک مسجد میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز نصیب ہو

جائے...... کافی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوتے تھے...... کبھی بیس دن بعد، کبھی اس سے زیادہ یا کم دنوں کے بعد کسی نماز کی تکبیر اولیٰ چھوٹ جاتی...... ویسے کافی صدمے اور غم کی بات ہے نا؟...... مسلمان کے لئے سب سے ضروری کام ”نماز“ ہے...... مسلمان کے لئے سب سے اہم حکم ”نماز“ ہے...... مسلمان کے لئے سب سے لازمی چیز ”نماز“ ہے...... پھر نماز میں سُستی کا کیا مطلب؟...... دل میں ایمان ہو تو مسلمان کو نماز کا انتظار رہتا ہے...... حضور اقدس ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے، اے بلال! نماز کے ذریعہ ہمیں راحت پہنچاؤ...... نماز تو لذت، راحت، برکت، رحمت اور نورانیت کا مجموعہ ہے...... نماز میں سُستی ”نفاق“ کی سب سے واضح علامت ہے...... حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کے لئے ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے جو نماز کے وقت اُسے نماز پر ابھارتا ہے اور اگر وہ سو رہا ہو تو اُسے جگا دیتا ہے...... کیا ایک مسلمان صرف چالیس دن بھی اس کی پابندی نہیں کرسکتا کہ وہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرے؟ ...... یقیناً خطرے کی بات ہے، رونے اور دھاڑیں مارنے کا مقام ہے...... ہر مسلمان غور کرے کہ اُسے اپنی زندگی میں یہ نعمت نصیب ہوئی ہے یا نہیں؟...... جن کو نصیب نہ ہوئی ہو اُن کو تنہائی میں رونا چاہیئے اور التجا کرنی چاہیئے کہ یا اللہ ایمان نصیب فرما...... بے شک نماز ”ایمان“ کی سب سے بڑی علامت ہے...... اور یہ ”ایمان“ کا سب سے پہلا تقاضا ہے...... جب ہم نے ”ایمان“ کا پہلا حکم ہی ٹھیک طریقے سے نہیں مانا تو پھر ایمان کتنے دن تک ہمارے دل میں رہے گا؟...... گھر میں کوئی بہت معزز اور محبوب مہمان آجائے اور اُس کے آنے سے ہمارا گھر خیر اور برکت سے بھر جائے...... وہ مہمان شرط رکھ دے کہ میں اُس وقت تک یہاں رہوں گا جب تک آپ فلاں فلاں کام کریں گے...... اور ان کاموں میں سب سے اہم اور ضروری فلاں کام ہے...... پھر وہ چھ سو بار تاکید کرے کہ یہ کام ضرور کرنا ہے...... مگر ہم اُسی کام میں سُستی کریں تو کسی دن وہ مہمان چپکے سے گھر چھوڑ کر چلا جائے گا...... اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کی دولت عطاء فرمائی...... ایمان کی برکت سے ہمارا دل روشن ہو گیا اور ہم دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے مقرب بن گئے...... ایمان کی برکت سے ہمیں جہنم سے نجات کا وعدہ ملا...... جنت کی نعمتوں کی بشارتیں ملیں...... کعبہ شریف ملا، مسجدیں ملیں...... آج دنیا کے کافروں کو دیکھیں وہ کعبہ شریف سے محروم، حجر اسود سے محروم، روضہ اقدس واطہر سے محروم...... مسجد حرام اور مسجد نبوی سے محروم...... مسجد اقصیٰ سے محروم...... رمضان اور عید الفطر سے محروم...... حج اور عید الاضحیٰ

سے محروم...... درود شریف اور استغفار سے محروم ...... جنت اور اس کی حوروں سے محروم...... اذانوں اور مسجدوں سے محروم...... آج دنیا کے ''ارب پتی'' کافروں کی آنکھوں سے ایک منٹ کے لئے پردہ ہٹا دیا جائے اور انہیں دکھا دیا جائے کہ ایک بار ''سبحان اللہ'' کہنے سے کیا ملتا ہے تو وہ اپنی دولت کو پیشاب کے قطرے سے بھی زیادہ حقیر سمجھنے لگ جائیں ...... ایمان کی برکت سے مسلمانوں کو سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر جیسے عظیم کلمات ملے...... اب ایمان نے ہمیں چند باتوں کا حکم دیا ان میں سب سے زیادہ تاکید ''نماز'' کی فرمائی...... ہم نے نماز کو ہی نہ سمجھا اور نہ اپنایا تو پھر خطرہ ہے نا؟ کہ یہ ایمان کسی دن ہمارے دل کو چھوڑ کر چلا جائے...... یا اللہ رحم، یا اللہ رحم، یا اللہ رحم...... ایمان نہ رہا تو پھر کتے بھی ہم سے اچھے، سور اور خنزیر بھی ہم سے اچھے...... یا اللہ آپ کی پناہ، یا اللہ آپ کی پناہ...... ہونا تو یہ چاہئے کہ ہم دولت ایمان کی قدر کرتے ہوئے نماز کے ساتھ عشق والا رشتہ بنالیں...... اس کے لئے بہت زوردار محنت کی ضرورت ہے...... اور یہ محنت جہاد اور دینی غیرت کی دعوت کے ساتھ ہو تو اس میں جان پڑے گی...... دینی غیرت انسان کے ایمان کو خالص اور مضبوط کر دیتی ہے...... جہاد، دینی غیرت اور قربانی کی دعوت نہ ہو تو لوگ نماز بھی دنیاوی مقصد کے لئے بنالیتے ہیں ...... کہ رزق میں وسعت ہو جائے گی، لوگوں میں عزت ہو جائے گی...... زندگی آسان ہو جائے گی، کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی...... اگر صرف یہ نیت ہو تو پھر نماز بے جان ہو جاتی ہے...... وہ بھی دکان اور کام پر جانے کی طرح ایک ڈیوٹی بن جاتی ہے...... ایسی بے جان نماز نہ گناہوں سے روکتی ہے نہ فواحش سے...... ایسی کمزور ''نماز'' ایمان کی کیا حفاظت کر سکے گی؟...... اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز سے رزق میں وسعت ہوتی ہے...... اور بھی بے شمار دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں مگر...... نماز کا اصل مقصد یہ نہیں ہے...... آپ نے کبھی سوچا کہ حضرت آقا مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کی نماز ہو سکتی ہے؟...... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے بارے میں لکھا ہے کہ صرف جسم مبارک دنیا میں ہوتا تھا جبکہ روح مبارک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتی تھی...... اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان مبارک ''ملکوت'' میں ہوتی تھی...... اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جتنی راحت نماز سے ملتی تھی اتنی کسی چیز سے نہیں...... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرماتے تھے...... آنکھیں تو نہ گرم ہوتی ہیں نہ ٹھنڈی...... آنکھوں کی ٹھنڈک عربی زبان کا محاورہ ہے...... اس کا مطلب دل کی بہت زیادہ خوشی اور جسم کی بہت زیادہ راحت ہوتا ہے...... یعنی ایسا سرور جو دل سے لے کر آنکھوں تک چھا جائے ایک خاص سرمستی اور سرشاری...... اسے آنکھوں کی ٹھنڈک کہتے ہیں...... مثلاً ہم

میں سے جو مال کے شوقین ہیں اور کچھ غریب بھی ہیں اُن کو اچانک کوئی پچاس لاکھ روپے یا ایک کروڑ ھدیہ کر دے...... اُس وقت دل، آنکھوں یا جسم پر جو کیفیت ہوتی ہے اسے آپ آنکھوں کی ٹھنڈک سے تشبیہ دے سکتے ہیں...... نماز آقا مدنی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی...... بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوری رات نماز میں گزر جاتی...... مگر اس کے باوجود جہاد کے زخم بھی لگے...... گھر میں فاقے بھی آئے...... دشمنوں نے ستایا بھی...... معلوم ہوا کہ نماز صرف رزق اور ظاہری امن کا ذریعہ نہیں بلکہ اسلام کا لازمی حکم اور فریضہ ہے...... بہت سے ائمہ اور علماء کے نزدیک تو نماز کا ترک کرنا کفر ہے...... قرآن پاک میں نماز کی آیات پڑھیں، احادیث مبارکہ میں نماز کے باب کو پڑھیں تو یہی لگتا ہے کہ...... اگر عقیدے کا کفر نہ بھی ہو تو عملی کفر ضرور ہو جاتا ہے...... اللہ پاک رحم فرمائے...... آج تو ہر گھر بے نمازی مردوں اور عورتوں کی نحوست سے بھرا پڑا ہے...... نمازی لوگ سارا دن کماتے ہیں اور اپنے بے نمازی بچوں کو کھلاتے ہیں...... بات ایک صاحب کی چل رہی تھی انہیں بہت تمنا تھی کہ کسی طرح چالیس دن تکبیرا ولیٰ نہ چھوٹے...... بتاتے ہیں کہ روتے گڑگڑاتے بھی تھے کہ یا اللہ نفاق اور جہنم سے برأت کی یہ علامت کب نصیب ہوگی؟...... کئی بار تو بالکل قریب پہنچ کر رہ جاتے...... تب انہیں یہ عمل بتایا گیا کہ آپ روزآنہ ”لا الہ الا اللّٰہ“ بارہ سو بار پڑھنے کا معمول بنائیں...... کلمہ طیبہ کی قوت دیکھیں کہ جیسے ہی انہوں نے شروع کیا تو فرشتہ مقرر ہو گیا...... وہ سوتے تو جگا دیئے جاتے، بیمار ہوتے تو نماز کے وقت قوت آجاتی اور پھر اُن کا یہ دینی شوق بھی پہلی جست ہی میں پورا ہو گیا کہ بغیر کسی رکاوٹ کے وہ ”تکبیر اولیٰ“ کا چلّہ کرنے میں کامیاب ہو گئے...... اور ماشاء اللہ اس چلّے کی برکت یہ ہے کہ...... انسان کو نماز اور تکبیر اولیٰ سے خود بخود محبت پیدا ہو جاتی ہے...... اور نماز سے محبت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوتی ہے...... اللہ کرے مسلمان عورتوں کو بھی نماز کا شوق نصیب ہو جائے...... وہ بھی چالیس دن کا چلّہ آسانی سے کر سکتی ہیں...... طریقہ یہی ہے کہ کلمہ طیبہ کا ورد شروع کریں...... اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں...... کسی کے سامنے تذکرہ نہ کریں اور نہ خود کو نیک سمجھ کر دوسروں سے لڑائیاں کریں...... نماز کا نقشہ منگوائیں...... ہر نماز کا اول وقت دیکھیں...... اور پھر پابندی سے ہر نماز اوّل وقت میں اہتمام سے ادا کریں...... درمیان میں کسی کا ناغہ آجائے تو فکر کی بات نہیں...... جو عذر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو وہ ناغے میں شمار نہیں ہوتا...... دن گن کر رکھ لیں اور جب پھر نماز شروع کریں تو چلّے میں سے باقی کے دن پورے کر لیں...... جی ہاں...... اے

اللہ کی پیاری بندیو! چالیس دن اپنے محبوب حقیقی اور اپنے مالک حقیقی کے لئے دے دو...... بارہ سو بار ''لاالہ الااللہ'' پڑھا کرو...... ہر ایک سو پورا ہونے پر مکمل کلمہ اور درود شریف پڑھ لیا کرو...... دل پر سستی کا حملہ ہو یا آزادی اور گناہوں کی رغبت ہو تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ...... ایک ہزار بار پڑھ لو...... قبر کا عذاب اور جہنم بہت مشکل ہے...... دل میں دنیا کی محبت پیدا ہو تو سورۃ التکاثر (الھکم التکاثر) تین بار پڑھ کر دعاء کرلیا کرو...... کوٹھی، کار...... اور غلام خاوند کا شوق ان شاء اللہ دل سے نکل جائے گا...... مصیبت اور بیماری آئے تو خود کو شیطان کے حوالے نہ کرو...... ایسے مواقع پر شیطان کان میں کہتا ہے کہ تمہاری کوئی دعاء قبول نہیں ہوتی، تم بدنصیب ہو...... بس اٹھو اور گناہوں میں لگ جاؤ...... ایسا ہو تو دس بار...... اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم...... پڑھ لیا کرو...... یا ...... اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم...... اور میری بہنو! ایک بات یاد رکھو...... وہ یہ کہ دوسری مسلمان بہنوں کو کلمے اور نماز کی دعوت ضرور دیا کرو...... اور جہادی احادیث اور واقعات بھی سنایا کرو...... دعوت دینے سے اپنا ایمان مضبوط ہوتا ہے...... اس دعوت کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں بلکہ گھر میں ہی جو مل جائے اُسے دعوت دو...... ایمان بہت قیمتی چیز ہے اُس کی حفاظت اپنے زیورات سے زیادہ کرو...... ہاں! میرے دل میں بہت درد اٹھتا ہے...... میں چاہتا ہوں کہ...... اللہ تعالیٰ مجھے بھی کلمہ طیبہ نصیب فرمادے ...... زندگی میں بھی اور مرتے وقت بھی...... اور میری نمازیں ایسی ہو جائیں کہ نماز کی اقامت کا حق ادا ہو جائے...... اور میں جہاد فی سبیل اللہ کو سمجھ لوں، اور اس کے ذریعہ اسلام کی بلند ترین چوٹی تک پہنچوں...... اور اللہ پاک سے شہادت کا حسین خاتمہ پاؤں...... اللہ پاک میرے لئے یہ تین کام آسان فرمادے...... اور دل میں یہ درد اٹھتا ہے کہ...... سب مسلمان جی ہاں! پوری امت مسلمہ میں ان تین کاموں کی آواز لگائی جائے...... اس کیلئے زوردار محنت چلائی جائے...... اس کے لئے مخلص اور باعمل مبلغین تیار کئے جائیں...... ان تین اعمال سے ان شاء اللہ ہمارے دل کی دنیا آباد ہو جائے گی اور ہمارے لئے پورے دین پر چلنا...... اور ہر سعادت کو پانا آسان ہو جائے گا...... اور ان تین اعمال سے ان شاء اللہ ساری دنیا کا نقشہ بھی تبدیل ہو جائے گا...... اے مسلمانو! کوئی ہے جو اس درد اور فکر میں ہمارا ساتھ دے...... کوئی ہے؟ کوئی ہے؟......

اللھم صل علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا...

☆......☆......☆

انس نے کیا دیکھا؟

چچا جان پراسرار انداز میں کمرے کے فرش پر بنے خفیہ دروازے کو کھول کر تنگ و تاریک سیڑھیاں اتر رہے تھے اور انس ڈرتا کانپتا ان کے ہمراہ تھا۔

انس حیران رہ گیا کہ تنگ و تاریک سیڑھیوں کا اختتام ایک روشن اور کشادہ ہال میں ہوا تھا۔ جس کی چاروں دیواروں حتی کہ چھت پر بھی چھوٹی بڑی مختلف قسم کی گھڑیاں لٹک رہی تھیں۔

☆......☆......☆

انس کے چچا جان بین الاقوامی ٹائم سائنس ریسرچ سینٹر میں ایک اعلی عہدے پر فائز تھے۔ انس دو دن پہلے اپنے دادا جان کے ساتھ چچا جان سے ملنے ان کے گھر آیا تھا۔

اور اب اس وقت وہ ان کے ذاتی مگر خفیہ تحقیقاتی مرکز میں حیران پریشان کھڑا تھا۔

☆......☆......☆

" بھتیجے! تم نے ٹائم مشین صرف کہانیوں میں پڑھی ہو گی مگر میں حقیقت میں ٹائم مشین بنا چکا ہوں۔ مجھے بس اب اس کو تجرباتی سفر پر بھیجنا ہے۔ اور اس تجربے کے لیے تم سب سے زیادہ موزوں ہو۔"

" ن۔۔۔نہیں چچا جان! میں نے کوئی تجربہ نہیں کرنا۔"

اب تو انس کی ٹانگیں باقاعدہ کانپنیں لگی تھیں مگر چچا جان نے اس کی حالت کی پروا کیے بغیر اس کی کلائی پر ایک اسٹکر نما گھڑی چپکا دی تھی۔

" تم ابھی کچھ لمحوں بعد ہزاروں سال پہلے کی دنیا میں چلے جاؤ گے۔"

انہوں نے اسٹکر پر لکھے کچھ ہندسوں سے متعلق اسے ہدایات دیتے ہوئے اسٹکر پر لکھے زیرو کے ہندسے کو دبا دیا انس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئی تھیں اسے لگا جیسے ہلکی سی ہوا چلی ہو اور وہ کسی

پر کی مانند ہوا میں اڑ رہا ہو۔

☆......☆......☆

اس نے اپنی آنکھیں کھول کر اپنے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔

اسے احساس ہوا وہ کسی خوبصورت ترقی یافتہ شہر میں موجود تھا جس کے بیچوں بیچ دریا گزر رہا تھا اور جس پر ایک زبردست پل بنا ہوا تھا۔

اس نے محسوس کیا کہ وہ یہاں سب کچھ دیکھ، سن اور سمجھ سکتا تھا، البتہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس کی نگاہ کلائی پر چپکے اسٹکر پر لگی تو اس پر 2160 ق م سلطنت بابل کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

وہ چند قدم آگے بڑھا تو سامنے کا منظر دیکھ کر لرز گیا۔ یہ ایک بہت بڑا میدان تھا جس میں ہر طرف آگ ہی آگ جل رہی تھی۔

آگ کے شعلے لپک لپک کر آسمان کو چھو رہے تھے۔ سلطنت کے طول و عرض سے بتوں کے پجاری توحید کے پرستار کا انجام دیکھنے کے لیے جمع ہو رہے تھے۔

اتنے میں ظالم بادشاہ کے کارندے آگے بڑھے اور خوبرو جوان کو آگ میں پھینک دیا گیا۔

مگر مگر یہ کیا ہوا تھا لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔

خوبرو جوان کو آگ نے چھوا تک نہیں تھا۔ وہ صحیح سلامت آگ سے باہر نکل آیا تھا۔

انس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ آنسوؤں کے قطرے ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام.."

وہ بے اختیار ہو کر حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھنے لگا۔ اسٹکر پر جلتے بجھتے ہندسے انس کو وقت کی لہروں پر آگے بڑھا رہے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ہمراہ دریائے فرات کے کنارے کنارے چلتے ارض مقدس فلسطین کی جانب بڑھ رہے تھے۔

انس کو فضاؤں میں قرآن کریم کی سورہ انبیاء کی آیت نمبر 71 کی گونج سنائی دے رہی تھی۔

"اور ہم اسے اور لوط کو بچا کر اس زمین کی طرف لے آئے جس میں ہم نے جہان کے لیے برکت رکھی ہے۔"

انس کو معلوم تھا کہ علمائے کرام اس آیت کی تفسیر میں بابرکت سرزمین ارض فلسطین کو قرار دیتے ہیں۔

دریائے فرات کے کنارے وقت کی لہروں پر سفر کرتا انس اب سرزمین فلسطین میں داخل ہو چکا تھا۔

"فلسطین انبیاء کی سرزمین۔" اس نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔

"تو یہ وہ سرزمین ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امن و امان ملا اور جہاں سے ایمان اور توحید کی مشعلیں ایک بار پھر روشن ہو کر کائنات کو منور کرنے لگیں۔" اس نے خود کلامی کی۔

اس نے اپنی نگاہوں کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے فرزند حضرت اسحاق کے ساتھ مل کر مسجد الاقصیٰ کی تعمیر نو کرتے بھی دیکھا اور مسلمانوں کو جوق در جوق ایک اللہ کی عبادت کے لیے مسجد میں داخل ہوتے بھی دیکھا۔

اگلے چند لمحات میں انس نے خود کو شہر الخلیل میں پایا، الخلیل جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا گھر بسایا، اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے اور جہاں وہ دفن کیے گئے۔

یہ تو وہ جانتا ہی تھا کہ یہی شہر، الخلیل، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب ہو کر صدیوں تک ان کی یاد کا مرکز بنے گا اور آنے والے وقت میں یہاں عظیم الشان مسجد ابراہیمی تعمیر کی جائے گی۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھا کہ کلائی کے ساتھ چپکے اسٹکر پر کچھ ہندسے چمکنے لگے تھے۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ جیسے کسی پر سے بھی ہلکا ہو کر وقت کی لہروں پر سفر کرنے لگا۔

☆......☆......☆

چند لمحے گزرے تھے کہ انس نے خود کو موجودہ صدی کے فلسطین میں پایا۔ یہ ایک مختلف اور خونیں دور تھا۔ ہر طرف خوف، دہشت اور موت کا راج تھا۔ فضاؤں میں بارود کی بو بسی ہوئی تھی۔ تمام اطراف دھواں دھواں تھیں۔

مسجد ابراہیمی اور مسجد الاقصیٰ کا تقدس پامال ہو رہا تھا۔ کہیں کوئی ماں بچے کی لاش کو سینے سے لگائے بیٹھی تھی تو کہیں کوئی بچہ مردہ ماں سے لپٹا ہوا تھا۔

اس نے دیکھا چند فلسطینی بچے اپنے گھروں کے ملبے پر بیٹھے پتھروں سے کھیل رہے تھے، مگر ان کے چہروں پر تھکن و غم اور جرات و ہمت کا عجب امتزاج تھا۔ انس نے غور کیا ان کے کھیل میں مسجد اقصیٰ کی حفاظت کی منصوبہ بندی، اسرائیل کو شکست دینے کی حکمت عملی، شہدا کی نماز جنازہ اور آزاد مسجد اقصیٰ میں عبادت کی تڑپ تھی۔

انس کے دل میں درد کی ایک لہر اٹھی، یہ معصوم بچے، جن کے ہاتھوں میں کھلونے، کتابیں اور قلم ہونے چاہیے تھے، ان کی ہتھیلیاں اپنے اور اپنے پیاروں کے خون سے تر تھیں۔

انس کو لگا جیسے ایک بار پھر آگ کے شعلے آسمان کو چھونے لگے ہیں، حق پرستوں کو ظلم و جبر کا سامنا ہے۔ نمرود کے جانشین ابراہیم علیہ السلام کے پیروکاروں کو آگ میں دھکیل رہے ہیں۔

ہر طرف حسبنا اللہ و نعم الوکیل کی گونجتی صدائیں ہیں۔

☆......☆......☆

اچانک اسٹکر پر کچھ ہندسے جلنے بجھنے لگے تھے۔ یہ ہندسے اسے واپسی کے سفر کی خبر دے رہے تھے۔ اس کے دل میں ان معصوم بچوں اور مظلوم لوگوں کے لیے دعا اٹھ رہی تھی۔

انس کے لبوں پر ”حسبنا اللہ و نعم الوکیل“ کے الفاظ جاری ہو گئے۔

"بھتیجے! کیسا رہا وقت کا سفر؟"

انس کی آنکھیں کھلی تو چچا جان بے تابی سے اس پر جھکے ہوئے تھے۔

انس خالی خالی نگاہوں سے چچا جان کو دیکھ رہا تھا۔ان کے جھنجھوڑنے پر جیسے اسے ہوش آگیا اور وہ ان سے کہنے لگا:

"چچا جان! میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، مسجد اقصیٰ اور طوفان الاقصیٰ کو بہت قریب سے دیکھا اور محسوس کیا ہے۔

چچا جان! جس سرزمین کی جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت فرمائی، مسجد اقصیٰ کی تعمیر نو کی، توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دی وہ سرزمین آج کلمہ"لا الہ الا اللہ" کا اقرار کرنے والوں کے خون سے رنگی ہے۔

مگر یہ ظلم اور تاریکی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ہجرت پر ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔

میرا دل کہہ رہا ہے کہ فلسطین کی موجودہ صورتحال تو بس حق کو باطل سے جدا کرنے کے لیے وقوع پزیر ہے۔

وہ وقت دور نہیں جب اس مقدس سرزمین پر امن اور سلامتی کا سورج دوبارہ طلوع ہوگا۔ صہونیت کی صفیں شکست کھائے الٹ چکی ہوں گی، مسجد اقصیٰ ناپاک پنجہ یہود کی گرفت سے آزاد ہوگی اور اس پر پرچم اسلام پوری آب و تاب سے لہرا رہا ہوگا۔

مجھے تو بس اسی پرچم کے سائے تلے رہنا اور اسے مضبوطی سے تھامنا ہے۔

انس نے اپنی کلائی سے اسٹکر اتارا جو اب بالکل جامد و ساکت تھا مگر انس کے دل کی دھڑکنوں میں فلسطینی بچوں اور ان کی جدوجہد کی محبت ہلچل مچا رہی تھی کہ وہ ان کی مدد کرے۔

☆......☆......☆

کوپن برائے "وہ کون تھا؟"

نام:..

ولدیت:..

مکمل ایڈریس:..

تعلیم:..

جواب:..

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

راضیہ خاتون اپنی اکلوتی بہن سے ملنے پانچ سال بعد پاکستان آئی تھیں۔ بہن بہنوئی کے ساتھ ان کے بچوں نے ہوائی اڈے پر خوب گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔

راز کی بات یہ ہے کہ دو بڑے بھانجے اپنی خالہ امی سے مل کر سخت مایوس ہوئے مگر یہ بات

کسی کو معلوم نہیں تھی۔ صفیہ کے سسرالی رشتے دار کا انتقال ہو گیا تھا جنازہ عشاء کے بعد تھا اور حیدر آباد جانا تھا۔

صفیہ ہچکچائی تو راضیہ خاتون نے صفیہ کو اطمینان دلایا کہ میں ہوں نا تم بے فکر ہو کر جاؤ۔ ویسے بھی میں لمبے سفر سے آئی ہوں۔ آرام کروں گی۔ صفیہ نے بڑی بہن کو دیکھ کر سکون کا سانس لیا تھا۔ البتہ وہ انہیں اکیلے چھوڑ کر جانے میں ہچکچاہٹ کا شکار تھیں۔

دراصل صفیہ خاتون اپنی بہن کے سامنے بہت شرمندگی محسوس کر رہی تھیں کہ اتنی دور سے آئی مہمان بہن کو دروازے پر ہی چھوڑ کر تدفین میں جانا پڑ رہا ہے۔ وہ بہن کو جلدی جلدی ضروری ہدایات دیتے ہوئے کہنے لگیں۔

”آپا! تینوں لڑکے اپنے کمرے میں کھیل رہے ہیں۔ مہمان خانے میں سب چیزیں رکھ دی ہیں۔ رشیدہ آپ کے لیے کھانا لگا دے گی، کھا کر آرام کیجیے گا۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو رشیدہ سے کہہ دیجئے گا۔ ہماری تو رات تک واپسی ہوگی۔ اچھا چلتی ہوں۔ اللہ حافظ۔“

”فی امان اللہ۔“

راضیہ خاتون مہمان خانے میں نیم دراز ہو کر تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں۔ جبکہ بچے اپنے کمرے میں تھے۔ اذانِ مغرب کی صدائیں بلند ہونا شروع ہوئیں۔ رشیدہ نے کھانے کا پوچھا انہوں نے سہولت سے منع کر دیا کہ ابھی بھوک نہیں لگ رہی۔

وہ ذکر کرتے کرتے اونگھنے لگیں کہ اچانک ایک بے ہنگم شور سن کر وہ دہل کر رہ گئیں۔ گھبرا کے ایک دو آوازیں بھی دیں شہریار، شاہ زیب مگر جواب ندارد۔ البتہ شور کی آواز اور زیادہ بلند ہوتی چلی گئی۔ راضیہ خاتون متحمل مزاج اور بربادشخصیت

کی مالکہ تھیں۔کمرے کے قریب جا کر انہوں نے دروازہ بجاتے ہوئے نرمی سے پکارتے کہا۔

"شہریار، شاہ زیب بیٹا! کیا کر رہے ہو آپ لوگ بہت زیادہ شور ہو رہا ہے۔" اندر سے شہریار نے چیخ کر کہا۔

"کچھ نہیں ہم اسٹریٹ فائٹر دیکھ رہے ہیں۔"

"اچھا! دروازہ تو کھولو!"

شہریار جھنجھلا کر اٹھا تھا جھٹکے سے دروازہ کھول کر دوبارہ گیم کھیلنے میں مگن ہو گیا۔اس دوران اس نے راضیہ خاتون کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

راضیہ خاتون عرصہ دراز سے بیرون ملک مقیم تھیں۔مغربی ماحول میں ایسی لاپروائی اور اجنبی رویے دیکھنے کی عادی ہونے کے باوجود انہیں اپنے بھانجوں کی بے رخی تیر کی طرح چبھی تھی۔اپنے چہرے کو پرسکون رکھتے ہوئے مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئیں۔

کمرا کسی کباڑ خانے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ قالین، بستر، الماری ہر چیز بے ترتیب تھی۔ جا بجا بکھرے ہوئے میلے کپڑے، جوتے موزے، کھانے کے چمچ، پلیٹیں، اسنیکس کے خالی ریپرز، اوندھے منہ پڑا کچرے دان۔اس تمام بکھیڑے کو نفاست پسند راضیہ خاتون نے بڑی مشکل سے نظر انداز کیا۔وہ خوش گوار لہجے میں تینوں لڑکوں کو متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں۔

"کیا دیکھ رہے ہو بھئی؟ مجھے بھی تو دکھاؤ پیارے چھوٹے لڑکو!"

وہ تینوں pub g کھیل رہے تھے جس پر گھر والوں کی طرف سے مار پیٹ کے بعد سختی سے پابندی لگائی گئی تھی کہ اب نہیں کھیلنا۔دلوں میں اللہ کا ڈر کہاں رہا البتہ ماں باپ سے پٹے جانے کا خوف ایسا حاوی ہوا کہ شہریار نے خالہ کی بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے ماؤس اپنے قبضے میں کیا اور کی پیڈ پر تیزی سے انگلیاں چلانا شروع کر دیں تو شاہ زیب چلایا۔

"بھائی! یہ کیا گیم ابھی ختم نہیں ہوا تھا، پھر آپ نے مووی کیوں لگا دی؟"

اسکرین پر کوئی ہارر فلم چلنا شروع ہو گئی تھی۔

راضیہ خاتون بار بار نظر انداز کیے جانے پر بڑی سبکی محسوس کر رہی تھیں۔ یہ ان کی چھوٹی بہن کے بچے اور ان کے سگے بھانجے تھے مگر اتنے بے نیاز۔

شہریار اور شاہ زیب فلم دیکھنے میں گم ہو گئے جبکہ ان دونوں سے چھوٹا شاہ میر شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔وہ خالہ کو خاموشی سے پلٹتا دیکھ کر بول اٹھا:

"کچھ نہیں خالہ امی! فلم دیکھ رہے ہیں، جسٹ فار انجوائے منٹ"

وہ کچھ سوچتے ہوئے واپس پلٹیں اور مسکراتے ہوئے بولیں۔

"اچھا کیا میں بھی آپ کی انجوائمنٹ کا حصہ بن سکتی ہوں؟"

"ہیں! کیا آپ بھی ہارر فلم دیکھیں گی؟"

شہریار سے حیرانی سے بولا۔
”ہاں کیوں نہیں۔ چلو شاباش میرے لیے جگہ بناؤ۔“
”ارے بھئی! ہچکچا کیوں رہے ہو بچو؟ میں بالکل بھی نہیں ڈانٹوں گی اور کسی کو بھی نہیں بتاؤں گی پکا وعدہ۔“
دونوں بچے مطمئن ہو کر خوشی خوشی خالہ کے لیے جگہ بنا کر ان کے ارد گرد بیٹھ گئے جبکہ بڑا شہریار لیپ ٹاپ کی سکرین کو گھورتے ہوئے کچھ الجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔
لیپ ٹاپ کی سکرین سامنے ہوتے ہی راضیہ خاتون لرز کر رہ گئیں، دل تھام کر بولیں:
”یہ، یہ کیا ہے بچوں اف توبہ اتنی کریہہ شکلیں۔“
”خالہ امی! یہ ایلین (Aliens) ہیں۔ یو نو۔ ارے خلائی مخلوق۔ یہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔“ شہریار بے زاری سے بولا۔
”مگر مجھے تو انہیں دیکھ کر کراہت آ رہی ہے، اور تھوڑا تھوڑا ڈر لگ بھی رہا ہے۔ آپ لوگوں کو خوف محسوس نہیں ہو رہا؟“
”نہیں بالکل بھی نہیں خالہ امی! میں تو بہت Brave (بہادر) ہوں۔ اور حافظ قرآن بھی تو ہوں میں ان سب سے fight (لڑائی) کروں گا، ماردوں سب کو۔ ڈھشم ڈھشم۔“ شاہ زیب بولا۔
”اچھا اچھا بھئی میرے بہادر شاہ! مغرب کی نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے، کیا خیال ہے؟ پہلے نماز ادا کر لی جائے ذرا یہ لیپ ٹاپ بند کر دیجیے!“ راضیہ خاتون ہنستے ہوئے بولیں۔ بچے خالہ کا منہ تکنے لگے۔ شاہ زیب نے سکرین روک دی۔
”نا، نا آواز بند کرنے یا سکرین pause (ساکن) کرنے سے کام نہیں چلے گا اسے مکمل طور پر (shut down) بند کرنا چاہئے۔ تصویر سامنے ہو تو نماز میں فرق پڑتا ہے ناں۔ نماز کے بعد دوبارہ کھول لیجیے گا۔“
اب کے شہریار نے نا چاہتے ہوئے بھی لیپ ٹاپ کو غصے سے بند کر دیا اور کمرے سے ملحق باتھ روم میں گھس گیا۔ دو منٹ گزر گئے تو شاہ زیب تڑپ کر اٹھا اور باتھ روم کا دروازہ پیٹتے ہوئے بولا۔
”بھائی! جلدی باہر آؤ مجھے بھی وضو کرنا ہے۔“
دھڑ کر کے دروازہ کھلا اندر سے آگ بگولا شہریار برآمد ہوا اور شاہ زیب کو مارنے کے لیے لپکا مگر شاہ زیب اسے چکما دے کر غڑاپ سے باتھ روم میں گھس گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ شاہ میر کھی کھی کر کے ہنسنے لگا تو شہریار نے غصے میں آ کر اسے ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔
راضیہ خاتون صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئیں۔ خیر جیسے تیسے تینوں اڑیل گھوڑوں نے نماز ادا کر ہی لی۔ نماز کے بعد شہریار نے لیپ ٹاپ کھولا اور فلم بند کر کے نیا گیم شطرنج لگا کے دل ہی دل میں بولا۔
”اب تو خالہ امی ہمیں نہیں ٹوک سکتیں کیونکہ یہ

سوچ سمجھ کر جواب دیا۔

"بالکل صحیح جواب، اور پھر اللہ تعالیٰ نے کیا کہا تھا؟"

"اللہ تعالیٰ نے اسے مردود قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ "میرے مخلص بندے ہرگز تیری پیروی نہیں کریں گے اور تجھے اور تیرے پیروکاروں کو جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔"

راضیہ خاتون نے سر ہلایا اور خوشی سے بولیں:

"واہ، بہت عمدہ جواب دیا میرے بچو! یہ ہیں میرے ذہین بھانجے۔"

تینوں لڑکے اپنی خالہ کے چہرے پر پھیلی مسرت اور خوشی دیکھ کر خوش ہو گئے اور مطمئن بھی۔

راضیہ خاتون نے ان کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھو، یہ دنیا محض ایک کھیل اور تماشا ہے، مگر ہمیں اپنی اصل کامیابی آخرت میں تلاش کرنی چاہیے۔ شیطان کی چالوں سے ہمیں ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے اور اپنے ایمان کو مضبوط رکھنا چاہیے۔"

شہریار، شاہ زیب، اور شاہ میر نے غور سے ان کی باتیں سنیں۔

ان کا رویہ کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔

شہریار نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"خالہ امی! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔

ہمیں عبادت اور اللہ سے قربت کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔"

راضیہ خاتون نے مسکرا کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"شہزادو! زندگی میں ہر چیز کا وقت مقرر ہے، انٹرٹینمنٹ کا بھی اور عبادت کا بھی۔ ہم مسلمان ہیں اور ہمیں اپنے ایمان کو مضبوط رکھنے کے لیے ہر وقت کوشش کرنی چاہیے۔"

تینوں لڑکوں نے سر ہلایا اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ اپنی عبادات کا خیال رکھیں گے اور اپنی زندگی میں توازن قائم کریں گے۔

رات گئے صفیہ اور اس کے شوہر جب تدفین سے واپس لوٹے تو راضیہ خاتون نے بچوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"ماشاءاللہ، تمہارے بیٹے تو بہت ہی زیاہ سمجھدار ہیں۔"

صفیہ مسکراتے ہوئے بچوں کو دیکھنے لگی اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس کی بہن نے بچوں کے دلوں میں ایمان کی نئی روشنی بھر دی تھی۔

یوں راضیہ خاتون کی آمد نے ان بچوں کی زندگی میں ایمان کی حرارت اور تربیت کی یادگار چھاپ چھوڑ دی تھی جسے وہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے تھے۔

☆......☆......☆

☆......☆......☆

امام شامل رحمہ اللہ

محمد عروہ

اٹھارویں صدی کا نصف آخر اور انیسویں صدی کا دور عالم اسلام کے لیے ایک کٹھن اور مشکل دور کی حیثیت سے گزرا ہے۔ 1799ء میں ٹیپو سلطان نے شہادت پائی اور اسی سال ترکی کے بیڑے کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا ،اس لیے ٹیپو سلطان کی قبر پر یہ عبارت تحریر ہے:

”روم اور ہندوستان کی عظمت غروب ہوگئی۔“

اسی پُر آشوب سال میں بحیرہ کیسپین اور بحیرہ اسود کے درمیان واقع داغستان کے ایک غیر معروف قصبے میں امام شامل پیدا ہوئے جنہوں نے تقریباً پچاس سال تک روسی استعمار کو مسلم آبادیوں پر مسلط ہونے سے روکے رکھا۔

تحریک آزادی کا یہ خونچکاں باب برصغیر کے مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔اس جدو جہد کا یہ پہلو خاصا اہم ہے کہ داغستان کے جنگلوں اور پہاڑوں میں لڑی جانے والی یہ گوریلا جنگ عالم اسلام میں منفرد نوعیت کی حامل تھی۔ بے سروسامان داغستانیوں کو روسیوں کی منتظم اور کثیر التعداد افواج کا سامنا کرنا پڑا تھا اور انہوں نے بے سروسامانی کے باوجود روسی قوت کے آگے گھٹنے ٹیکنے سے انکار کر دیا تھا۔

گوریلا جنگ نے بیسویں صدی میں دوسری جنگ عظیم کے بعد سے خاصی اہمیت اختیار کر لی ہے۔

ویت نام اور لاطینی امریکہ میں لڑی جانے والی جنگوں کی وجہ سے مغربی فوجی مصنفین نے اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں۔

آج کل کے تکنیکی دور میں بڑی طاقتوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے کئی اقوام نے گوریلا جنگ کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

ہو چی منہ نے پہلے فرانسیسیوں اور پھر امریکیوں کو گوریلا جنگ ہی کے ذریعے نیچا دکھایا۔ الجزائری سرفروشوں نے بھی اسی طریقہ جنگ کو اپنا کر اپنے وطن کو آزاد کرایا۔

امام شامل کی حیثیت اس میدان میں پیش

روکی تھی۔ انہیں بجا طور پر عالم اسلام کا پہلا گوریلا لیڈر قرار دیا گیا ہے۔

وہ مکمل طور پر فتح سے ہم کنار تو نہ ہوئے لیکن مظلوم اقوام کے لیے ایک ایسا لائحہ عمل چھوڑ گئے جو آج بھی ان کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

امام شامل تحریک جہاد کے بانی نہ تھے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ قفقاز میں ایک ایسے سلسلے سے وابستہ تھے جسے عرف عام میں مریدیت کا نام دیا گیا ہے۔ طریقت کے اعتبار سے یہ سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک تھے۔ یہ محض خانقاہی تصوف کا سلسلہ نہ تھا بلکہ اس نے جہاد و اصلاح کے عظیم کارنامے سرانجام دیے۔

داغستان میں اس سلسلے کی ابتدا ملا محمد نے کی جو یاراغل کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اس کی راہنمائی اپنے ہاتھوں میں لینے کی بجائے قاضی ملا کے سپرد کر دی جو عمری کے رہنے والے تھے۔

ان کے بعد یکے بعد دیگرے ہمزاد بیگ اور امام شامل اس تحریک کے رہنما رہے، قاضی ملا 1793ء میں عمری میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کونائی کے مقام پر عربی سیکھی اور اراکنی میں سعید آفندی سے دینی تعلیم حاصل کی۔ وہ انتہائی سنجیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شعلہ بیان مقرر بھی تھے۔ امام شامل نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ پتھر کی مانند خاموش تھے۔ ایک روسی مصنف لکھتا ہے کہ وہ لوگوں کے دل میں آگ بھڑ کا دیتے تھے۔

ان کا ایک ایک لفظ عوام کی رُوح میں ارتعاش پیدا کر دیتا تھا۔ انہوں نے اپنے علم و فضل کی وجہ سے عوام کے دلوں میں گھر کر لیا تھا اور ان کے دل میں ان کی عزت و تکریم رچی بسی تھی۔ وہ انتہائی دلیر اور ارادے کے پکے تھے۔ اپنے مقصد کی راہ میں انہیں اپنی جان کی قطعاً پرواہ نہ تھی۔

امام شامل قاضی ملاؒ کے بچپن کے ساتھی تھے۔ ایک ہی گاؤں میں رہنے والے ان دو افراد نے شمری کے نام کو روشن کیا۔

امام شامل کا نام بچپن میں علی رکھا گیا۔ لیکن وہ ابتدائی چھ سال کے دوران بیمار رہے۔ اس لیے مقامی بڑے بوڑھوں کے کہنے پر ان کا نام شامل رکھ دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت سے ان کی صحت بہتر ہوتی گئی اور ان میں غیر معمولی قوت پیدا ہوگئی۔

انہوں نے اپنی صحت بہتر بنانے کی پوری کوشش کی اور دوڑنے، چھلانگیں لگانے، نیزہ بازی اور دوسری ورزشوں میں وہ کمال حاصل کیا کہ 20 سال کی عمر میں پورے داغستان میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ وہ 27 فٹ چوڑی خندق بڑی آسانی سے عبور کر سکتے تھے اور عام قد کے دو افراد کے سر کے اوپر سے چھلانگ لگا سکتے تھے۔

غمری کے محاصرے میں انہوں نے روسیوں کے سر کے اوپر سے چھلانگ لگا کر ان پر عقب سے حملہ کیا تھا اور پھر زخمی ہونے پر ایک اور جست لگا کر جنگل میں غائب ہو گئے تھے۔

وہ ننگے پاؤں اور کھلے سینے ہر موسم میں گھومتے رہتے اور اس طرح انہوں نے داغستانیوں جیسے سخت جان اور جفاکش لوگوں میں بھی اپنی بہادری اور جفاکشی کا ایک اعلیٰ معیار قائم کیا تھا۔

وہ انتہائی تیز فہم، محنتی، علم کی طلب اور جستجو رکھنے والے انسان تھے۔ ان میں راہنمائی کی تمام تر صلاحیتیں موجود تھیں۔ وہ کسی حد تک حساس بھی واقع ہوئے تھے اور قوم اور ملک کی حالت پر کڑھتے رہتے تھے۔ ایک حساس ذہن ہی ایسے حالات میں ایک عظیم تحریک کی قیادت کر سکتا ہے۔

قاضی ملا کی مختصر لیکن ہنگامہ پرور زندگی کئی نمایاں کامیابیوں اور نمایاں ناکامیوں سمیت ایک ایسا دور تھا جو اُن کی شکست اور شہادت پر ختم ہوا۔

لیکن وہ آنے والے دنوں کے لیے ایسی سلگتی چنگاریاں چھوڑ گیا جو ایک بار پھر شعلہ جوالہ بنیں اور انہوں نے زار روس کی افواج کو بھسم کر کے رکھ دیا۔

قاضی ملا کو کئی اہم قسم کی کامیابیاں نصیب ہوئیں اور انہیں زندگی میں متعدد ناکامیوں کا منہ بھی دیکھنا پڑا۔ وہ کئی بار موت کے منہ میں جاتے جاتے بچے لیکن اپنی تمام زندگی میں ایک لمحے کے لیے بھی انہوں نے اپنے مقصد حیات کو فراموش نہیں کیا۔

عمری کے اعلانِ جہاد سے لے کر اُن کی شہادت تک ہمیں ان کی زندگی میں ایک دن بھی ایسا نہیں ملتا جس میں انہوں نے ہمت ہار دی ہو یا شکست کی وجہ سے ناامید ہو کر بیٹھ گئے ہوں۔

داغستان کے مسلم عوام کے نام انہوں نے پہلی بار 1829ء میں اعلانِ جہاد کیا۔ عمری میں ایک عام اجلاس میں جس میں داغستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے علماء بھی شریک تھے۔ قاضی ملا کو امام بنایا گیا اور سب لوگوں نے ان کے اعلان جہاد کی حمایت کی۔

امام شامل کے دور کا پہلا اہم واقعہ جنرل فیسی کی 1837ء کی مہم ہے۔ پانچ ہزار دو سو کی تعداد میں یہ فوج جس کے ہمراہ 180 توپیں اور مارٹر توپیں تھیں۔ مئی کے آغاز میں تیمر خان شورا سے کا کا شورا کے راستے ہوتی ہوئی دریائے اروما کے کنارے پہنچی۔ راستے کی مشکلات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 100 میل کا یہ فاصلہ 20 دنوں میں طے ہوا۔

خونزاغ میں دفاعی انتظامات مکمل کیے گئے۔ یہاں چار کمپنیاں چھوڑ دی گئیں اور چھ توپوں کے سوا تمام توپ خانہ اور بھاری سامان یہیں چھوڑ کر دو ہفتے کا راشن ساتھ لے کر جنرل فیس 5 جون کو اونتو کول اور اشیا روانہ ہو گیا۔

اونتو کول کے لوگوں نے روسیوں کے آنے پر اطاعت قبول کر لی، انہیں پر جمال دیے اور ان کے تمام قیدی اور بھگوڑے واپس کرنے کا عہد کیا۔ روسی افواج کے بھگوڑوں کی تعداد اچھی خاصی ہوا کرتی تھی اس لیے تقریباً ہر جگہ شرائط میں سے ایک اہم شرط یہ بھی ہوا کرتی تھی۔

7 جون کی رات کو امام شامل، تاشوف حاجی اور کبیت یا ہوما نے محاصرہ توڑنے کی غرض سے اچانک حملہ کیا اور اس کے بعد خونریز جنگ شروع ہو گئی جس میں روسیوں کے دو افسر اور 92 سپاہی ہلاک اور 13 افسر اور 183 آدمی زخمی ہو گئے۔

مریدین کا نقصان بھی تقریباً اتنا ہی تھا، روسی تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ مریدین میں سے 100 کے قریب شہید اور خاصی تعداد میں زخمی ہوئے تھے۔ روسیوں کے یہ نقصانات اس لحاظ سے خاصے تھے کہ اس وقت داغستان میں روسی افواج کی تعداد صرف پانچ ہزار تھی۔

امام شامل جہاں انتہائی جری کمانڈر اور قابل سپہ سالار تھے وہاں تنظیمی صلاحیتوں میں بھی بہت بڑی حد تک انہیں کمال حاصل تھا۔

اس قدر تباہ کن لڑائی کے بعد نئے سرے سے تمام علاقے کی تعمیر اور قبائل کا حوصلہ بحال کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ روسیوں کے ظلم و ستم نے بھی بہت بڑی حد تک داغستانیوں کے دل میں نفرت اور انتقام کی آگ بھڑکا دی تھی لیکن یہ امام شامل کا کمال تھا کہ انہوں نے اس جذبے کو اپنی تحریک کے استحکام کے لیے موثر طور پر استعمال کیا۔ ان کی تحریک روز بروز مضبوط ہوتی جا رہی تھی اور روسی حکومت کو بجا طور پر خطرہ محسوس ہوا کہ امام کی بڑھتی ہوئی طاقت کہیں ان کے لیے وبال جان نہ بن جائے۔

1839ء کے آغاز میں روسی حکومت نے امام شامل کے اثرات کی روک تھام کے لیے شمالی داغستان میں ایک فیصلہ کن مہم بھجوانے کا فیصلہ کر لیا۔

امام شامل کی حکومت آوریا، آندی اور گومیٹ کے تمام علاقوں میں تسلیم کر لی گئی تھی۔ صرف اندالیال اور اونتو کول کے لوگوں نے عمری کے رہنے والوں سے نفرت کی بناء پر اسے تسلیم نہیں کیا تھا۔

تختینیا میں ان کے نائب تاشوف حاجی نے اس تمام علاقے میں تحریک کی بالادستی کو تسلیم کروا لیا تھا۔ سالاتو اور ادغ کے قصبوں نے کھلے بندوں امام کی اطاعت تسلیم کر لی تھی اور سوائے ان علاقوں کے جو بزودی سرحد سے ملحق تھے تمام علاقے امام کے زیرنگیں آ چکے تھے۔

جنوبی داغستان میں بالائی سمور کے علاقے روس سے کھلم کھلا باغی ہو چکے تھے۔ بیرن روزن کی جگہ جنرل گولودن نیا کمانڈر انچیف بن چکا تھا۔ اس کے منصوبے میں شہنشاہ نکولائی نے

ترمیمات کی تھیں اور وہ منصوبہ اب کچھ اس طرح تھا۔

(1) بحیرہ اسود کے ساحل پر اترا جائے۔

(2) بالائی سمور کے علاقے کو زیر کیا جائے۔

(3) تختینیا اور شمالی داغستان کو فتح کیا جائے۔ ہر ایک حصے کے لیے الگ الگ فوج روانہ کی جائے اور اس طرح یہ منصوبہ مکمل کیا جائے۔

آئیے تختینیا اور شمالی داغستان کے بارے میں منصوبے کا جائزہ لیں۔ اس علاقے کے لیے جو فوج منظم کی گئی اس کی کمانڈ جنرل کاؤنٹ گریب کے سپرد تھی۔ اس کا مقصد امام شامل کے قلعے اخالگو کی تسخیر اور امام کے اقتدار کا مکمل خاتمہ تھا۔

مشرقی حصے اور شمالی داغستان کی تمام فوجی قوت کاؤنٹ گریب کے سپرد کر دی گئی۔

اس فوج کی تعداد 9000 تھی جن میں سے 2000 فوجی ونز پایا اور 3000 تیمر خان شورا میں تھے۔ ارادہ یہ تھا کہ پہلے داغستان میں امام شامل کے خلاف تمام تر قوت سے حملہ کیا جائے اور بعد میں موسم سرما میں تختینیا کا رخ کیا جائے لیکن مجاہدین کی کامیاب جنگی منصوبہ بندی کی وجہ سے روسی کمانڈر اپنے اس منصوبے پر عمل کرنے کے قابل نہ رہا۔

1843ء کے موسم سرما تک امام نے فیصلہ کن فوج کشی کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ انہوں نے ایک مستقل فوج کے مرکز کی بنیاد بھی رکھ دی تھی۔ اس علاقے کی مخصوص صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے شاید اس سے بہتر فوجی تنظیم کا ڈھانچہ تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

امامؒ نے مسلح سواروں کے ایسے دستے تیار کیے تھے جن کا نام مرتضک تھا۔ ہر دس گھڑسواروں سے ایک دستے کا انتخاب کیا جاتا تھا جس کا یہ فرض ہوتا کہ وقت پڑنے پر اشارہ ملتے ہی تیار ہو کر پہنچ جائے۔ اس فوجی خدمت کے بدلے میں ان لوگوں کے گھوڑوں کا دانہ پانی، ان کی فصلوں کی کٹائی، زمین کی تیاری اور دوسرے گھریلو کام دیگر گھرانوں کے سپرد ہوتے۔ یہ درحقیقت ان کی فوجی خدمت کا معاوضہ تھا۔ ان لوگوں کے فرائض اور ان کو دی گئی مراعات ان کے ذوق جہاد کے عین مطابق تھے۔

مرتضک سواروں کو دس، سو اور پانچ سو کے مختلف گروپوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر گروپ کی قیادت اس گروپ کی اہمیت اور تعداد کے مطابق ایسے افسر کے سپرد کی جاتی جو اس کا اہل ہوتا۔

سپاہیوں کو زرد اور افسروں کو سیاہ رنگ کے چوغے دیے جاتے تھے۔ ایک سو اور پانچ سو کے گروپوں کے افسر اپنی وردیوں پر تمغے بھی لگاتے تھے۔ پانچ سو کے گروپ کا افسر عام طور پر نائب ہوتا۔

یہ نائبین دیگر مریدوں میں خاصی ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان تمام لڑائیوں میں جو امام شامل اور روسیوں کے درمیان ہوئیں، کوئی نائب

روسیوں کے ہاتھوں گرفتار نہیں ہو سکا۔ ایک معرکے میں کسی رُوسی افسر کو نائب کے گرفتار کرنے پر جرات کا تمغہ دیا گیا تھا لیکن بعد میں مزید تحقیق پر یہ بات غلط ثابت ہوئی۔

ان نائیبین کی قیادت کا نتیجہ تھا کہ دور دراز علاقوں کے عوام تحریک مریدیت کی خاطر ہر دھڑ کی بازی لگا دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ نمایاں کارکردگی کے لیے دوسرے نشانات اور تمغے بھی عطا کیے جاتے تھے۔

آخوردی ماہوما کے پاس، جو نائب اول تھے، ایک تلوار تھی، جس پر یہ عبارت تحریر تھی:

"تیز ترین تلوار، بہادر ترین انسان"

مرتضک سواروں کو بوقت ضرورت ہر گھر سے ایک ایک فرد مزید دے دیا جاتا۔ یہ لوگ عارضی عہدے داروں کے زیر کمان ہوتے اور ان کی تنظیم بھی پہلے کی طرح ہی ہوتی۔ اسی طرح شدید ہنگامی صورت حال میں بستیوں اور علاقوں کے تمام ہتھیار اُٹھانے کے قابل افراد کو بلا لیا جاتا تھا۔

فدائین کے گروہ کو ہر ماہ دو بوری آٹا دیا جاتا اور وہ لوگ جو جنگ میں کسی طرح کی بزدلی یا کم ہمتی کے مرتکب ہوئے ہوں، کسی طرح موت سے بچ نکلتے تو ان کی پشت پر تانبا داغ دیا جاتا تھا تاکہ لوگ ان بزدلوں کو پہچان لیں۔

امام شریعت کے احکامات کے معاملے میں خاصے سخت واقع ہوئے تھے اور حضرت عمرؓ کی طرح ان کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا تھا۔

روسی افواج کی حالت ان علاقوں میں خاصی خراب تھی۔ قلعے بنانے، بیرکیں تعمیر کرنے، ایندھن کاٹ کر لانے اور چارہ مہیا کرنے کا کام ان کی دوسری عام فوجی ذمہ داریوں کے علاوہ ہوتا۔

پھر یہی نہیں، خراب موسم میں انہیں ناقص خوراک ملتی اور رسد کی کمی کے اثرات بھی ان کو برداشت کرنے پڑتے۔

اپنے گھروں سے دُور، دشمن کے رحم و کرم پر پڑے ہوئے ان سپاہیوں کی زندگی اس قدر تلخ تھی کہ بھگوڑے سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ تعجب خیز معلوم نہیں ہوتا۔ ان تمام مہمات میں جو داغستان اور تختینیا کے علاقوں میں جاری رہیں، ہمیں جگہ جگہ بھگوڑوں کا ذکر ملتا ہے۔

اسی صورت حال کا نتیجہ تھا کہ ایک مورخ کے بقول ہمزاد بیگ کا حفاظتی دستہ انہی روسی بھگوڑوں پر مشتمل تھا۔ امام ایک کامیاب فوجی لیڈر کی طرح دشمن کی تمام کمزوریوں کا علم رکھتے تھے۔

انہوں نے اس کی کمزوریوں کا پورا پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس کو تہس نہس کر دیا۔ روسی افواج داغستان میں چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی تھیں۔ غیر محفوظ اور دفاعی اعتبار سے کمزور قلعوں میں منقسم یہ افواج داغستان میں ایک دوسرے سے فاصلوں پر ہونے کی وجہ سے امام کے گوریلا دستوں کا بڑی آسانی سے نشانہ بن سکتی تھیں اور

انہوں نے دشمن کی اس کمزوری کو بھانپ لیا تھا۔

انہوں نے اپنی تمام فوجی مہموں کی منصوبہ بندی اوران کے بارے میں مکمل اطلاعات اس ہنرمندی سے اکٹھی کی تھیں کہ موجودہ دور میں شاید کئی سٹاف افسروں کی مدد سے کوئی چیف آف سٹاف بھی اتنی اچھی منصوبہ بندی نہیں کرسکتا۔ امام شامل کے مقابلے میں روسی سٹاف افسروں کی ایک بڑی تعداد کمانڈر انچیف اور چیف آف سٹاف کی قیادت میں جنگی سکیموں کو مرتب کرنے کا کام انجام دے رہی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے باضابطہ طور پر جنگی امور کی تربیت لی تھی۔ جنہوں نے کتنی ہی جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ ان میں سے کتنے ہی ایسے تھے جن کے سینوں پر تمغوں کی کئی کئی قطاریں آویزاں تھیں اور جو بے شمار ساز و سامان، توپ خانہ، رسالہ اور پیادہ فوج کی مدد سے داغستان کے قلعے سے نصف صدی سے اپنا سر پھوڑ رہے تھے۔

اور دوسری طرف داغستان کے مجاہدین تھے جن کے پاس نہ توپ خانہ تھا اور نہ بہتر قسم کا دوسرا اسلحہ، جن کے پاس نہ ساز وسامان کی کثرت تھی اور نہ گولہ بارود کی۔ وہ فوجی اکیڈمیوں کے تربیت یافتہ نہ تھے۔ انہوں نے آپریشن روم میں بیٹھ کر جنگی نقشوں کی مدد سے لڑائیوں کی منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔

نہ انہیں زار روس کی فوجوں میں رہ کر جنگوں کا وسیع تجربہ تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے زار کی فوجوں کا ایک طویل عرصے تک ناطقہ بند کیے رکھا۔ روس کی تمام تر توقعات ان پہاڑوں کے ساتھ سر ٹکراتی رہیں لیکن اسے لاشوں اور زخمیوں کے انبار کے سوا کچھ حاصل نہ ہوسکا۔

امام کے دوست جمال الدین کے بیٹے عبدالرحمن نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

”وہ عام آدمیوں پر بے حد مہربان تھے۔ نوکروں، فقیروں اور حتیٰ کہ قیدیوں تک کے معاملے میں انتہائی نرم دل واقع ہوئے تھے۔ ان کا یہ ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ غریبوں کے دل سے نزدیک ہے اور غریبوں کی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔ جب بھی وہ کسی مہم پر نکلتے، غریبوں کو اکٹھا کر کے انہیں کپڑے دیتے، ان کی روپے پیسے سے مدد کرتے اور ان سے فتح کی دعا کے لیے کہتے۔“

امام شامل ؒ (پیدائش 1799ء، وفات 1871ء) نے مقامی جاگیرداروں اور روسی شہنشاہیت کی نوآبادیاتی پالیسی کے خلاف مریدیت کے جھنڈے تلے مسلح جدوجہد کی۔

امام شامل ؒ 1869ء تک کلوگا میں رہے اور بعد میں انہیں ان کی خواہش کے مطابق خیوا منتقل کر دیا گیا۔ یہاں سے انہیں حج پر جانے کی اجازت مل گئی۔ بالآخر 4 فروری 1871ء کو مدینہ منورہ میں انتقال ہوگیا۔

☆......☆......☆

مؤذنِ اولؓ

دانیال حسن چغتائی

زمین آگ کی طرح تپ رہی تھی، گرم جھلسا دینے والی ہوا چل رہی تھی۔ ایسے میں چند شریر لوگ ایک شخص کے گلے میں رسی ڈالے اُسے اُس تپتی ہوئی زمین پر گھسیٹتے ہوئے لیے جا رہے تھے۔ اُس شخص کا رنگ سیاہ تھا، آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں، چہرے پر اطمینان اور سکون تھا۔

مکہ میں حرہ کی زمین گرمی کے سبب دھوپ میں تانبے کی طرح گرم ہو جایا کرتی تھی، اس تپتی ہوئی زمین پر چند شریر لوگ اسے گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے، پھر انہوں نے اُس شخص کو اُس گرم زمین پر لٹا کر اُس کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا۔ پتھر اس قدر وزنی تھا کہ اُس شخص سے ہلا تک نہ جا رہا تھا، اُس کی پشت پر گرم زمین تھی اور سینے پر بھاری پتھر تھا۔ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اُس شخص کے پاس ایک مکروہ شکل کافر کھڑا تھا جس کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں اُس شخص کے لیے شدید نفرت تھی، اُس شخص کو دیکھ کر اُس کا خون کھول رہا تھا۔

یہ مکہ کا مشہور کافر سردار اُمیہ بن خلف تھا جو اپنے غلام بلال بن ریاح کو اُن کے اسلام لانے کے جرم میں اس قدر ظالمانہ سزا دے رہا تھا۔ امیہ بن خلف کے کانوں میں جب حضرت بلالؓ کے اسلام لانے کی بھنک پڑی تو وہ غصے سے بھڑک اُٹھا، وہ آگ بگولا ہو گیا۔

اُس نے حضرت بلالؓ کو بلا کر پوچھا:

”میں نے سنا ہے کہ تم نے کوئی اور خدا ڈھونڈ لیا ہے، تم نے ہمارے بتوں کی عبادت چھوڑ دی ہے، اور کسی ان دیکھے خدا کی عبارت کرنے لگے ہو۔ بتاؤ! تم کس خدا کی عبادت کرنے لگے ہو؟“

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بے دھڑک جواب دیا:

”میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا کی عبادت کرنے لگا ہوں۔“

”کیا؟“ امیہ بن خلف چلا اٹھا، یہ سنتے ہی اُس کا خون کھول اُٹھا تھا۔

اُس نے حضرت بلالؓ کو گھورتے ہوئے کہا۔

”اس کا مطلب ہے تو مقدس لات و عزیٰ کا دشمن ہو گیا ہے، اگر تم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا کی

عبادت نہ چھوڑی تو تم ذلت کی موت مار دیے جاؤ گے۔میں ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ تم لات وعزیٰ کے نام لیوا کے غلام ہو کر محمد ﷺ کے خدا کی عبادت کرو!''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی مضبوط ارادے کے ساتھ جواب دیا۔

''تمہارا میرے جسم پر تو زور چل سکتا ہے، میرے دل پر تمہارا کوئی اختیار نہیں۔ اس دل میں محمد ﷺ اور اُن کے خدا کی محبت بس چکی ہے، تم اس محبت کو میرے دل سے نہیں نکال سکتے۔ میں تمہارے اُن خداؤں کی عبادت نہیں کرسکتا جنہیں تم خود اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو۔''

یہ سنتے ہی اُمیہ بن خلف غیظ وغضب سے بھڑک اُٹھا۔ایک بے کس غلام یوں اُس کے منہ کو آئے، اُس نے کڑک کر کہا۔

''اچھا، تو پھر اپنی بے دینی کا مزہ چکھ! میں دیکھتا ہوں کہ محمد ﷺ اور اس کا خدا تمہیں میرے عذاب سے کیسے چھڑاتے ہیں؟''

یہ کہہ کر اس ظالم نے آپ رضی اللہ عنہ پر ظلم وستم کی انتہا کر دی، وہ آپ رضی اللہ عنہ کو حرہ کی تپتی ہوئی زمین پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا۔ زمین اس قدر گرم ہوتی تھی کہ جس پر گوشت رکھ دیا جاتا تو بھن جاتا، مگر وہ اس حالت میں بھی یہی کہتے رہتے کہ''میں لات وعزیٰ کا انکار کرتا ہوں۔''

امیہ بن خلف نے جب یہ دیکھا کہ اتنی سختیوں کے باوجود آپ دین حنیف نہیں چھوڑ رہے، تو اُس کی آتش غضب بھڑک اُٹھی۔اُس نے اپنے دوسرے غلاموں اور بنوجح (عرب کے ایک قبیلے کا نام) کے لونڈوں سے کہا۔

''لات وعزیٰ کے اس باغی کو اتنی اذیتیں دو کہ محمد ﷺ اور اُس کے خدا کا نام لینا چھوڑ دے۔''

یہ بدبخت امیہ بن خلف کو خوش کرنے کے لیے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بری طرح مارتے پیٹتے، دن کے وقت اُن کے کپڑے اتروا کر لوہے کی زرہ پہناتے اور دھوپ میں ڈال دیتے۔شام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھڑی میں پھینک دیتے اور رات کو انہیں کوڑے مارتے لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے احد، احد کے سوا کچھ نہ نکلتا۔

امیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی ڈال کر آوارہ لڑکوں کے حوالے کر دیتا۔وہ اُنہیں مکہ کی گھاٹیوں میں گھسیٹتے پھرتے، پھر جلتی ہوئی ریت پر لا کر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ان پر پتھروں کا ڈھیر لگا دیتے۔

پھر ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی وہاں سے گزرے، تو اُنہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھ کر اُمیہ بن خلف سے کہا۔

''اے امیہ! اس بے گناہ اور بے کس غلام پر اتنا ظلم نہ کرو، تمہارا اس میں کیا نقصان ہے کہ وہ

خدائے واحد کی عبادت کرتا ہے۔ اگر تو اُس پر احسان کرے تو یہ آخرت میں تیرے کام آئے گا۔“

اُمیہ بن خلف نے نہایت حقارت سے جواب دیا۔

”میں تمہارے خیالی یوم آخرت کو نہیں مانتا جو میرے دل میں آئے گا، میں وہ کروں گا۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُسے بڑی نرمی سے سمجھایا کہ ”تم طاقت ور ہو، اس بے کس غلام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنا تمہاری شان کے خلاف ہے۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی باتوں سے تنگ آکر اُمیہ بن خلف نے کہا۔

”ابن ابی قحافہ! اگر تمہیں اس غلام سے اتنی ہی ہمدردی ہے، تو اسے خرید کیوں نہیں لیتے؟“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا۔

”بولو! اس غلام کا کیا لو گے؟“

اُمیہ بن خلف نے کہا۔

”تم اپنا غلام فسطاس رومی مجھے دو اور اسے لے جاؤ!“

فسطاس رومی بڑا کاریگر غلام تھا، اور مکہ کے رہنے والوں کے نزدیک اُس کی بڑی قیمت تھی۔ اُمیہ بن خلف کا خیال تھا کہ ابو بکر اسے دینے کے لیے تیار نہ ہوں گے لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً بولے۔

”مجھے منظور ہے۔“

امیہ بن خلف حیران رہ گیا، پھر بڑی ڈھٹائی سے بولا ”فسطاس کے ساتھ چالیس اوقیہ چاندی بھی لوں گا۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس پر بھی رضا مند ہو گئے، یوں اُنہوں نے اُمیہ بن خلف سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بڑا پیار کرتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خازن بھی تھے، گھر کا سارا انتظام انہی کے سپرد تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز بڑی بلند اور دلکش تھی، اس لیے اذان کا فریضہ بھی انہی کو سونپ دیا گیا۔ اُن کی اذان میں ایسی تاثیر تھی کہ جو بھی سنتا، سب کام چھوڑ کر والہانہ نماز کے لیے مسجد کی طرف لپکتا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اسلام میں جو مرتبہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن سے جس قدر پیار تھا، تمام صحابہ کرام اس پر رشک کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت میں جو قرب حاصل تھا، اُس کی بنا پر تمام صحابہ کرام انہیں نہایت محبوب و محترم جانتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

”حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں اور اُنہوں نے ہمارے سردار بلال کو آزاد کرایا“

☆......☆......☆

شہادت کا تسلسل

محمد ابوبکر حسن

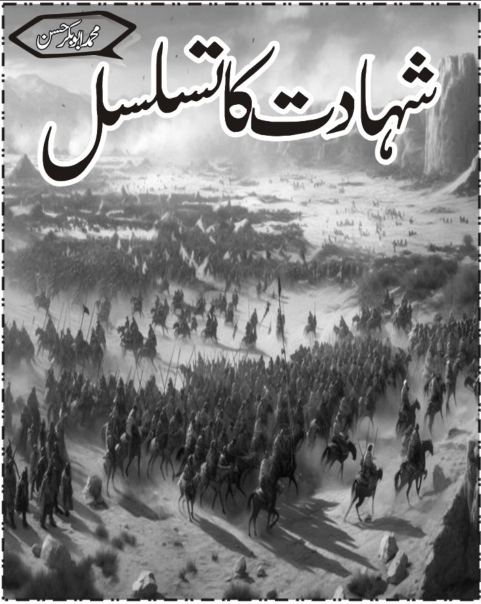

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اسلام کی تاریخ جاں فروشی اور جاں سپاری کی ان گنت داستانوں کی حامل ہے۔

جن کو شمار کرنے والا یہ دعوی کسی صورت نہیں کرسکتا کہ اس نے اسلامی تاریخ کے اس باب کی تکمیل کرلی ہے۔

جاں فروشی اور اسلام کے قدموں میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سب سے بڑی نعمت زندگی کو قربان کرنے کا جذبہ انسان میں ایمان کے قبول کرنے کے ساتھ ہی پیدا ہو جاتا ہے اور پھر انسان کی کیفیت اس قدر تبدیل ہو جاتی ہے کہ انسان کا مقصد حیات اور انداز زیست بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔

شہادتوں کا یہ سفر کرہ ارضی پر انسانیت کے آغاز ہی سے جاری ہے۔ جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے اس کرہ ارض پر پھیلنے کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پہلا واقعہ اس حوالے سے جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ ہابیل اور قابیل کا ہے۔

جب قابیل اپنی غلط خواہش کو پورا نہ ہوتے دیکھ کر ہابیل کو قتل کر ڈالتا ہے۔

اس حوالے سے اصحاب الاخدود کا واقعہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ یمن میں بادشاہ کے ہاں ایک ساحر رہتا تھا۔ جس کی خواہش پر اسے ایک ہونہار لڑکا دیا گیا تاکہ وہ اسے اپنا علم سکھائے مگر وہ بچہ ایک عیسائی راہب (اس وقت عیسائی مذہب ہی رائج تھا اور وہ راہب راہ راست پر تھا) سے راہ و رسم رکھنے کی وجہ سے سچائی سے آشنا ہوگیا، اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔

پھر ایک روز ایک خطرناک جانور کو اس نے صرف ایک پتھر سے مار ڈالا، مگر اس نے پتھر یہ کہہ کر پھینکا کہ اگر راہب کا دین سچا ہے تو اے اللہ تو اس جانور کو ہلاک کر دے۔

اس واقعے سے اس لڑکے کی شہرت ہوئی اور اس کی دعا سے لاعلاج مریض بھی صحت یاب ہونے لگے۔ اسی دوران بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کی بھی بینائی اس لڑکے کی دعا سے واپس آگئی۔ بادشاہ اس پر برہم ہوا اور اس نے راہب اور وزیر دونوں کو قتل کرادیا۔ مگر وہ لڑکے کو نہ مار سکا اس کو مارنے والے خود مرتے چلے گئے۔

بالآخر اس لڑکے نے اپنے آپ کو مارنے کی ترکیب بادشاہ کو یہ بتائی کہ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرکے مجھے ان کے سامنے سولی پر لٹکادو اور اس لڑکے کے رب کے نام سے کہہ کر تیر مارو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا۔ یہ دیکھتے ہی سب لوگوں کو اس لڑکے کے رب کے سچے ہونے کا یقین ہوگیا اور وہ سب اللہ پر ایمان لے آئے۔

یہ ماجرا دیکھ کر بادشاہ نے بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور انہیں آگ سے بھر دیا۔ پھر حکم دیا کہ جو اسلام سے نہ پھرے اسے اس میں ڈالتے جاؤ۔ اس طرح ہزاروں مسلمان اس میں گر کر شہید ہوتے گئے۔ بالآخر اللہ کے غضب کو جوش آیا اور اسی خندق کے بڑھتے ہوئے شعلوں نے تمام ظالموں اور جابروں کو بھی جلا کر خاک کردیا۔ قرآن کریم میں یہ واقعہ سورہ بروج میں اصحاب الاخدود کے نام سے بیان ہوا ہے۔

اس طرح شہادتوں کا سفر اسلام میں ایک طویل عرصے سے جاری ہے، بلکہ اسلام کا یومِ اول ہی ایک طرح سے اسلام میں سلسلۂ شہادت کا نقطۂ اول ہے۔

ہمیں معلوم تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کے صاحبزادے اور ہندہ ابی ہالہ رضی اللہ عنہا کے بھائی، حارث بن ابی ہالہ اسلام کے پہلے شہید ہیں، جنہوں نے اللہ کے راستے میں شہادت کا سب سے پہلے شرف حاصل کیا، اور درحقیقت اسلام میں شہادتوں کے جس قافلے کا آغاز حارث بن ابی ہالہ سے ہوا تھا، اسلام کی پہلی خاتون شہید، حضرت سمیہ، حضرت سیدنا حمزہ، حضرت سیدنا عمر فاروق، حضرت سیدنا عثمان غنی اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ہوتا ہوا حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر پہنچا۔

آج کی نشست کو اسی شاہراہ شہادت کے چند شاہ سواروں کے ذکرِ خیر، ذکر بابرکت سے سجایا گیا ہے، جس کا آغاز اسلام کے سب سے پہلے شہید کے ذکرِ خیر سے کیا جارہا ہے۔

اسلام کے سب سے پہلے شہید

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ اسلام میں یہ رتبہ بلند پانے والے پہلے صحابی رسول ﷺ کا اسم گرامی حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ ہے، اور آپ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کے بیٹے تھے۔ ابن الکلبی اور ابن حزم کے مطابق حارث بن ابی ہالہ اللہ کے راستے میں شہادت کا

شرف حاصل کرنے والے پہلے شخص ہیں، جو حرم کعبہ میں رکن یمانی کے پاس شہید ہوئے۔

آپؓ کی شہادت کا واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ بعثت کے کچھ عرصہ بعد جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلام کی کھلم کھلا تبلیغ کا حکم دیا تو ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد الحرام میں کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے"

یہ سن کر مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور ہو گئے ، یہ دیکھ کر حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچانے کے لئے آگے بڑھے تو کفار نے انہیں گھیر لیا اور بالآخر وہ شہید ہو گئے، جب حارث بن ابی ہالہ شہید ہوئے، اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔

پہلی خاتون شہیدہ

اسلام کا پیغام جوں جوں آگے بڑھتا رہا، اسی رفتار سے کفار کے مظالم میں شدت آتی گئی ، اور اسلام سے متاثر ہو کر اس کی دعوت قبول کرنے والے صحابہ کرام پر عرصہ زیست تنگ ہوتا چلا گیا اور شہادتوں کے جس سلسلہ روشن کا حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے آغاز کیا تھا، وہ سلسلہ برابر جاری رہا اور ہر ابھرنے والے سورج کے ساتھ ساتھ اس کاروانِ عشق ومحبت کے شرکا میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

حضرت حارث ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کے بعد ہمیں اس تذکرے میں جس شخصیت کا ذکر ملتا ہے وہ ایک خاتون ہیں، جن کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ اسلام کی پہلی خاتون شہیدہ ہیں، اور خواتین اسلام کے لئے ان کی ذات باعث فخر و موجب انبساط ہے، جنہوں نے اس میدانِ جاں فروشی و جاں سپاری میں تمام خواتین اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے رب کائنات کی دی ہوئی نعمت عظمیٰ اس زندگی کو اسی کے دین پر قربان کرتے ہوئے صحیح معنی میں جان دینے کا حق ادا کر دیا، ہماری مراد حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا سے ہے، جو ایک جلیل القدر صحابی رسول اللہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی والدہ تھیں۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ضعیف خاتون تھیں اور آپ کو ایک شرف یہ بھی حاصل ہے کہ آپ السابقون الاولون میں بھی شامل ہیں، یعنی حضرت سمیہ کا نام ان ابتدائی مسلمانوں میں شامل ہے۔ جو اسلام کی ابتدائی دعوت کے نتیجے میں اسلام لائے تھے ، اور روایات کے مطابق آپ ابتدائی سات مسلمانوں میں شامل ہیں، اور ابن سعد نے سند صحیح کے ساتھ مجاہد سے نقل کیا ہے کہ حضرت سمیہ اسلام کی پہلی خاتون شہیدہ ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کی شہادت کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ابوجہل نے ایک چھوٹا نیزہ حضرت سمیہ رضی اللہ

عنہا کی ران میں مارا، جو ان کی شرم گاہ کے آر پار ہو گیا، جس کی وجہ سے آپ شہید ہو گئیں۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ

اسلام کے اس سلسلۂ شہادت کا ایک اہم حصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محترم چچا حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے، حضرت حمزہ کی شجاعت اور بہادری ضرب المثل ہے۔

غزوہ احد میں مشرکین مکہ آپؓ کے دلیرانہ حملوں سے سخت پریشان تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جس پر تلوار اٹھاتے اس کا لاشہ ہی پھر زمین پر تڑپتا ہوا نظر آتا تھا، اس صورتِ حال سے کفار سخت پریشان تھے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کسی موقع کی تلاش میں تھے، دوسری جانب غزوہ بدر میں جبیر بن مطعم کا چچا طعیمہ بن عدی قتل ہوا تھا اور اس کا یہ قتل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے ہوا تھا، جبیر بن مطعم کو اس کا بہت صدمہ تھا، اور اس کے دل میں اپنے چچا کا بدلہ لینے کی خواہش کروٹیں لے رہی تھی۔

وحشی بن حرب، جبیر بن مطعم کا غلام تھا، جب غزوہ اُحد کا معرکہ ہوا تو جبیر بن مطعم نے وحشی بن حرب سے کہا کہ اگر تم میرے چچا کے بدلے میں حضرت حمزہ کو قتل کر دو، تو تم آزاد ہو۔

چنانچہ جب اُحد کے مقام پر معرکہ حق و باطل برپا ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مشرکین مکہ باہم مد مقابل ٹھہرے، جنگ کا آغاز ہوا، قدیم انداز کے مطابق جب صفیں مرتب ہو گئیں تو قریش کی صفوں سے سبات بن عبد العزیٰ مبارزت طلب کرتا ہوا نکلا، اور پکارا ”ہے کوئی میرا مقابل“ اس کا جواب دینے کے لئے مسلمانوں کی صفوں سے حضرت حمزہ نکلے، اور اسے مقابلے کے لئے للکارا، اور جب وہ سامنے آیا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے تلوار سے اس پر اس قدر شدید وار کیا کہ وہ اسی وقت واصل جہنم ہو گیا۔

اس دوران وحشی، وہیں میدان کارزار میں ایک چٹان کی آڑ میں بیٹھا تھا، اور اس انتظار میں تھا کہ موقع ملے تو حضرت حمزہ پر حملہ کرے، جب وہ لڑتے لڑتے وحشی کے قریب ہوئے تو اس نے اپنے چھوٹے نیزے سے جسے عرب حربہ کہتے ہیں، حضرت حمزہ پر حملہ کر دیا، وہ نیزہ اس نے حضرت حمزہ پر پھینک مارا، جو اُن کی ناف پر لگا، اور آر پار ہو گیا، اور یہی زخم ان کی شہادت کا سبب بنا، (حضرت وحشی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) اس غزوہ میں مسلمان بڑی تعداد میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے، جن کی تعداد روایات میں ۷۰ بیان کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی شہادت کے بعد مشرکین مکہ کے ساتھ آنے والی خواتین نے مسلم شہداء کا مثلہ کیا، جو اُس زمانے کی لڑائیوں کا اہم حصہ تھا، اس میں مقتولوں کا مخالف گروہ، ان کے ہاتھ، پیر اور ناک وغیرہ کاٹ کر اظہار مسرت

اور خوشی کرتا تھا چنانچہ اس قدیم رسم کے مطابق یہاں بھی مسلمانوں کا مشرکین مکہ کی خواتین نے مثلہ کیا، اور ان کے ناک اور کان کاٹ کر ان کے ہار بنائے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھی مثلہ کیا گیا۔

جب جنگ کا ہنگامہ سرد پڑ گیا، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے، آپ نے انہیں اس حال میں دیکھا کہ ان کا مثلہ کیا ہوا ہے، اور ان کے ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں، شکم مبارک اور سینہ چاک ہے، یہ جگر خراش اور دل آزار منظر دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آبدیدہ ہو گئے، اور آپ نے فرمایا کہ (اے حمزہ) تم پر اللہ کی رحمت ہو، جہاں تک مجھے معلوم ہے، تم بہت مخیر اور صلہ رحمی کرنے والے تھے، اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کا لقب عطا فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”حضرت حمزہ، اللہ کے نزدیک روز قیامت تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے۔“

اسلام میں سلسلۂ شہادت بہت وسیع ہے اور عجیب عجیب شانوں اور امتیازی اوصاف کے حامل شہداء کی ایک طویل فہرست ہے، لیکن یہ اعزاز قسام ازل نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھا تھا کہ انہیں رہتی دنیا تک سید الشہداء کے لقب سے یاد رکھا جائے گا، اور روزِ قیامت شہداء کے قافلے کی قیادت ان ہی کے ہاتھ میں ہوگی۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ

غزوہ اُحد کے اسی معرکہ خیر و شر اور حق و باطل میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بھی پیش آیا، اسلام کے اس قافلہ شہادت میں جس میں امتیازی اوصاف رکھنے والے شہدا کی ایک طویل قطار موجود ہے، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شان یوں ممتاز اور دوسرے شہداء سے منفرد ہے کہ آپ کو غسیل ملائکہ کا خطاب ملا، اور اس جہانِ فانی سے ماورا دوسرے جہان میں، انہیں فرشتوں نے غسل دیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اس غزوے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، اور کفار کے خلاف سرگرم عمل تھے، انہوں نے حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے باپ کا مقابلہ کرنے کی اجازت طلب کی مگر رحمتہ للعالمین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے یہ گوارا نہیں کیا کہ بیٹا، باپ کے مقابل آئے اور اس پر تلوار اٹھائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حنظلہ کو اس اقدام سے منع فرما دیا۔

لیکن جہاد میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی جانب سے شریک تھے اور کفار کے مقابلے میں سینہ سپر بھی، انہوں نے کفار مکہ کے سالار ابوسفیان پر حملہ کیا جو بعد میں مسلمان ہوئے، اور اپنی تمام صلاحیتیں اور سرگرمیاں اسلام کیلئے وقف کر دیں، رضی اللہ عنہم۔

لیکن ابوسفیان ان کے وار سے محفوظ رہے، اور ایک جانب سے اچانک شداد بن اسود نے پیچھے سے جھپٹ کر ان کے وار کو روکا، اور پھر پلٹ کر حضرت حنظلہ ؓ پر حملہ کر دیا، اور ان کو شہید کر دیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دیکھا کہ فرشتے حضرت حنظلہ ابن ابی عامر کو آسمان اور زمین کے درمیان سفید ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر ان کی اہلیہ سے، صورت حال دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وہ غسل کئے بغیر ہی آواز جہاد بلند ہونے پر جہاد کی غرض سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ حالانکہ ان کو غسل کی حاجت تھی، مگر جب انہوں نے جہاد کے لئے پکار سنی تو ان کے جذبہ عمل نے اتنی تاخیر بھی قبول نہ کی کہ غسل ہی کر لیتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو اس درجے قبول کیا کہ ان کے لئے ان کی روح کے علیین میں پہنچنے سے قبل ہی غسل کا انتظام فرمادیا اور انہیں فرشتوں کے معصوم اور نورانی ہاتھوں سے غسل دلایا گیا۔

حضرت ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھا تو ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کو اس اعزاز کے ساتھ قبول کیا کہ قیام قیامت تک آنے والوں کے لئے باعث رشک قرار پائی۔

حضرت خلیب رضی اللہ عنہ

شہادتوں کے اسی تسلسل میں ایک اور واقعہ بھی خاص اہمیت کا حامل ہے، وہ واقعہ حضرت خلیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ہے۔

صفر ۴ ہجری میں قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگوں نے آنحضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے قبیلے کے نو مسلموں کو دین اسلام کی تعلیمات سکھانے کے لئے کچھ افراد ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، آپ ﷺ نے چند صحابہ کرام کو ان کے ہمراہ کر دیا، ان میں حضرت خلیب رضی اللہ عنہ بھی تھے، اس جماعت کا سربراہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا، راستے میں اس قافلے پر بنو الیان نے حملہ کر دیا، اس حملے کے نتیجے میں کچھ صحابہ شہید اور حضرت زید اور حضرت حبیب رضی اللہ عنہما قید ہو گئے، قید کرنے والوں نے انہیں مکہ لے جا کر فروخت کر دیا۔

جنگ بدر میں حارث بن عامر مکہ کا ایک شخص حضرت خلیب کے ہاتھوں مارا گیا تھا، اس لئے اس کے بیٹوں نے حضرت خلیب کو خرید لیا اور قید کر دیا، ایک روز انہیں شہید کرنے کا ارادہ کیا اور انہیں اس نیت سے حرم سے باہر لے گئے، حضرت حبیب نے ان سے کہا کہ مجھے دو رکعت ادا کرنے کی مہلت دے دو، انہوں نے اجازت دے دی۔

☆......☆......☆

میرا بیٹا بھی فلسطین کے لیے آواز اٹھائے گا۔
ایک ماں کی زبانی، اچھے فلسطین کی کہانی

☆......☆......☆

ام مصطفیٰ نے آج دال چاول بنائے تھے مگر مصطفیٰ کی ضد تھی کہ اسے تو بس پیزا ہی کھانا ہے۔

وہ خواہش پوری نہ ہونے پر منہ بنائے ایک جگہ بیٹھ گیا کہ اب کھانا نہیں کھانا۔

ام مصطفیٰ چاہتیں تو اسے ڈانٹتیں، مارتیں یا کہتیں کہ نہیں کھانا تو مت کھاؤ۔

مگر وہ ایک باشعور ماں تھی ایک نظر روٹھے مصطفیٰ کو دیکھا اور پھر موبائل میں کچھ سرچ کرنے لگی۔

پھر مصطفیٰ کے پاس آ کر بیٹھی۔

"آپ اچھی نہیں ہیں ماما! مجھے پیزا نہیں کھلا سکتیں؟"

ام مصطفیٰ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"کیا ہوا پیزا نہیں کھلا سکتی مگر دال چاول تو اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے کھلا سکتی ہوں ناں۔ وہ بے چارا تو آج رات بالکل تنہا ہے۔ اسے تو ماما بابا میں سے کوئی کھانا کھلانے والا بھی نہیں۔"

"کون ماما؟" مصطفیٰ پیزا بھول کر پوچھنے لگا۔ام مصطفیٰ نے اسکرین پر ایک تصویر مصطفیٰ کو دکھائی۔

"ماما! یہ کون ہے؟ اتنا پیارا بے بی ہے۔ اسے کیا ہوا ہے؟ اس کے ماما، بابا کو کیا ہوا ہے؟"

"بیٹا! یہ رات کو اپنی ماما بابا کے ساتھ سویا تھا، اسرائیل نے بمباری کی تو اس کا گھر تباہ ہو گیا، بس یہ ملبے میں دبا ہوا ملا باقی سب شہید ہو گئے۔"

"ماما! یہ اتنا چھوٹا بے بی اب کیا کرے گا؟ کیسے رہے گا؟ اور یہ اسرائیل کون ہے؟ یہ بے بی کہاں رہتا ہے؟"

"بیٹا! یہ بے بی فلسطین میں رہتا ہے اور اسرائیل کون ہے اور اب یہ پیارا سا معصوم سا بے بی کیسے رہے گا اکیلے؟ یہ ایک لمبی کہانی ہے آپ سنو گے؟"

"جی ماما! مجھے یہ کہانی سننی ہے۔"

ام مصطفیٰ نے مصطفیٰ کو گود میں اٹھا لیا۔

"آؤ میرے ساتھ کھانا بھی کھاتے رہو میرے ہاتھ سے اور گندے اسرائیل اور اچھے فلسطین کی کہانی بھی سنو!"

وہ کھانا کھاتے کھاتے کہانی سننے لگا۔

کہانی تو لمبی تھی۔کھانا ختم کر کے بھی مصطفیٰ شوق سے سنتا رہا اور کہانی سنتے سنتے ام مصطفیٰ کی زانو پر سر رکھے سو گیا۔ام مصطفیٰ بھی برتن سمیٹ کر سو گئیں۔

”ماما! ماما!۔۔۔۔“

ام مصطفیٰ کی آنکھ کھول گئی۔

”کیا ہوا بیٹا! آپ اٹھ کیوں گئے میرے بچے!“ ام مصطفیٰ گھبرا کر اٹھیں۔

”ماما! وہ اچھے فلسطین کا بے بی میرے خواب میں آیا تھا ابھی وہ ۔۔۔ وہ کہہ رہا تھا کہ۔۔۔۔“

مصطفیٰ روہانسا ہو رہا تھا۔ام مصطفیٰ نے اسے گلے لگالیا۔

”بیٹا! بتاؤ آپ نے کیا خواب دیکھا؟ مجھے بتاؤ میں سن رہی ہوں۔“

”ماما! وہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری ماما کا بہت شکریہ کہ انہوں نے میری کہانی تمھیں سنائی۔ہمیں تمہاری ماما جیسی ماؤں کی بہت ضرورت ہے جو اپنے بچوں کو ایسی ہی ہماری کہانی سناتی رہیں تاکہ ان کے بچے بڑے ہو کر اچھے فلسطین کے لیے آواز اٹھا سکیں۔

ماما میں ڈر گیا اور ماما اس نے مجھے پیار کیا اور مجھ سے ہاتھ بھی ملایا۔“

ام مصطفیٰ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

”ڈرو مت بیٹا! وہ پیارا سا بے بی تمہارا بھائی ہے اور تم بڑے ہو کر اچھے فلسطین کے حق میں آواز ضرور اٹھاؤ گے۔“

”ہیں ماما! آواز تو اٹھاؤں گا مگر وہ بے بی میرا بھائی کیسے؟ میں تو آپ کا اکلوتا بیٹا ہوں؟“

ام مصطفیٰ نم آنکھوں سے مسکرائیں اور کہنے لگیں۔

”وہ تمہارا بھائی کیسے ہے یہ کہانی میں تمھیں کل سناؤں گی چلو اب سو جاؤ!“

انہوں نے مصطفیٰ کو اپنے پاس سلانے کے لیے لٹالیا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے مدہم آواز میں خود سے کہنے لگیں۔

”ہاں میرے فلسطینی بیٹے! میں تمہاری کہانی ہمیشہ اپنے بچوں کو سناؤں گی، انہیں تمہارے حق کے لیے بولنا اور کھڑا ہونا سکھاؤں گی۔میں اپنا فرض پورا کروں گی آخر تم میری مسلمان بہن کے بیٹے ہو۔تم میرے بیٹے ہو۔میں کبھی تمہارا خون آلود نازک وجود نہیں بھول سکتی۔

تم حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے بچے ہو تم میرے بھی جگر کا ٹکڑا ہو۔ جیسے میرا مصطفیٰ ہے۔

میں اپنی اولاد کو ایسی تربیت دے کر جاؤں گی کہ وہ امت کے کسی بچے کی شہادت پر خاموش نہ بیٹھے۔“

☆......☆......☆

''گل! ایک بات بتاؤں؟''

''جی آپی!''

''یہ تم ہر وقت اداس کیوں رہتی ہو؟''

''میں اداس تو نہیں ہوں''

''نہیں میں جب بھی تمہیں دیکھتی ہوں تم اداس ہوتی ہو۔''

''آہ! آپی! پہلے وعدہ کریں آپ غصہ نہیں کرو گی''

''نہیں کروں گی غصہ۔ اب بتاؤ!''

''نہیں پہلے وعدہ کریں!''

''چلو بابا! وعدہ نہیں کروں گی۔''

''آپی! آپ رات کو اللہ سے دعا کرتی ہیں اور شکوہ بھی کرتی ہیں کہ آپ کی دعا کیوں قبول نہیں ہوتی لیکن آپی! آپ یہ نہیں جانتیں کہ آپ کے اپنے اعمال کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی ہے۔''

☆......☆......☆

طارق صاحب بہت دیندار آدمی تھے۔ ان کے گھر دولت کی ریل پیل تھی، لیکن انہوں نے کبھی تکبر اور غرور نہیں کیا تھا۔

ان کی چار اولادیں تھیں۔ بڑا عمر پھر خضر، انابیہ اور گل فاطمہ۔ عمر اور خضر قرآن حفظ کر رہے تھے جبکہ انابیہ دہم میں پڑھ رہی تھی اور گل فاطمہ پانچویں کلاس میں پڑھ رہی تھی۔

انابیہ بری صحبت میں اٹھنے بیٹھنے لگی تھی جس کی وجہ سے وہ دین سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

ام عمر بہت پریشان تھیں، انہوں نے کئی بار انابیہ کو سمجھایا لیکن اس کے کان پر جوں نہیں رینگتی تھی۔ لیکن جب کوئی مطلب ہوتا تو نماز پڑھ لیتی تھی۔

گل فاطمہ اس سے چھوٹی تھی لیکن بہت سمجھدار تھی وہ انابیہ کی سب دعائیں اور گلے شکوے سنتی

تھی جو وہ خدا سے کرتی تھی لیکن خاموش رہتی تھی کہ موقع دیکھ کر آپی سے بات کروں گی اور وہ موقع آج ملا تھا جب وہ سکول کا کام کر رہی تھی۔

''گل! ایک بات بتاؤں؟''

''جی آپی!''

''یہ تم ہر وقت اداس کیوں رہتی ہو؟''

''میں اداس تو نہیں ہوں''

''نہیں میں جب بھی تمہیں دیکھتی ہوں تم اداس ہوتی ہو۔''

''آہ! آپی! پہلے وعدہ کریں آپ غصہ نہیں کرو گی''

''نہیں کروں گی غصہ۔اب بتاؤ!''

''نہیں پہلے وعدہ کریں!''

''چلو بابا! وعدہ نہیں کروں گی۔''

''آپی! آپ رات کو اللہ سے دعا کرتی ہیں اور شکوہ بھی کرتی ہیں کہ آپ کی دعا کیوں قبول نہیں ہوتی لیکن آپی! آپ یہ نہیں جانتیں کہ آپ کے اپنے اعمال کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''دیکھیں آپی! ہم خدا کو پہچانتے ہیں لیکن اس کی معرفت کا حق ادا نہیں کرتے۔

ہم قرآن کو پڑھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔

ہم محبت رسول ﷺ کا دعوی کرتے ہیں لیکن نبی اکرم ﷺ کی سنت پر عمل نہیں کرتے۔

ہم جنت کو چاہتے ہیں مگر اس میں داخلے کا انتظام نہیں کرتے۔

ہم نے جہنم سے پناہ مانگی لیکن خود ہی آپنے آپ کو اس میں ڈال دیا۔

ہم نے موت کو برحق جانا لیکن اس کی تیاری نہیں کی۔

ہم دوستوں کی عیب جوئی کرتے ہیں لیکن اپنے عیب نہیں دیکھتے۔

ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتے ہیں لیکن اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

ہم بہت جنازے دیکھتے ہیں لیکن عبرت حاصل نہیں کرتے ہیں۔

تو پھر ہماری دعائیں کیسے قبول ہوں آخر کیسے؟''

☆......☆......☆

گل فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے۔انابیہ گم صم کھڑی تھی۔پھر آگے بڑھی اور گل کو گلے لگا لیا۔

''تم کتنی سمجھ دار ہو۔میری بہن! تم نے تو میری آنکھیں کھول دیں۔''

انابیہ نے روتے ہوئے کہا۔

چلو میں ''صلواۃ التوبہ'' پڑھ کر آتی ہوں۔

☆......☆......☆

59

سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

عبدالحفیظ امیرپوری

ایک مسجد اعلیٰ ہی نہیں، ٹیپو کی ذات سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کا یہی رنگ تھا۔ اس کی نشست گاہ، دربار اور خواب گاہ کا رنگ بھی شیر کی کھال جیسا تھا۔

ٹیپو کو شیروں سے غیر معمولی رغبت تھی۔ اس نے محل کے ایک گوشے میں طویل و عریض پنجرے بنوائے تھے جن میں مختلف لیول کے شیر رہا کرتے تھے۔

ٹیپو کا معمول تھا کہ وہ نماز فجر ادا کرنے کے بعد ایک گھنٹے تک قرآن کریم کی تلاوت کرتا، پھر شیروں کو دیکھنے کے لئے جاتا۔

انہیں اپنے ہاتھ سے غذا دیتا، بعد میں خود ناشتہ کرتا۔ امراء اس غیر معمولی شوق کا سبب پوچھتے تو سلطنت خداداد کا فرمانروا بڑے پر جلال لہجے میں جواب دیتا۔

”تم اس جانور کا رعب و دبدبہ نہیں دیکھتے کہ یہ پنجرے میں قید ہے مگر پھر بھی بڑے سے بڑا بہادر انسان بھی اس کے قریب جاتے ہوئے گھبراتا ہے۔ مجھے شیر کی یہی ادا پسند ہے کہ جب وہ جنگل میں نمودار ہوتا ہے تو سارے جانور اس کے راستے سے ہٹ کر اپنے اپنے غاروں میں روپوش ہو جاتے ہیں۔“

یہ کہہ کر ٹیپو سلطان اپنا تاریخ ساز جملہ دہراتا۔

”گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔“

”خدا مجھے بھی ایسی ہی زندگی عطا کرے۔“

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب ٹیپو سلطان کی

عمر بمشکل پندرہ سولہ سال تھی۔ ایک دن وہ فرانسیسی فوجی افسر کے ساتھ شکار کھیل رہا تھا کہ اچانک قریب کی جھاڑیوں سے ایک شیر نمودار ہو کر ان دونوں کی طرف بڑھا۔

فرانسیسی افسر نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر شیر پر بندوق تان لی۔

مگر ٹیپو نے فوراً ہی اس کے ہاتھ سے بندوق چھین لی۔

’’شہزادے! یہ کیا غضب کرتے ہیں؟‘‘ شدت خوف سے فرانسیسی افسر چیخ اٹھا۔ ٹیپو نے بندوق زمین پر پھینک کر اپنی شمشیر بے نیام کرلی۔

’’مرد اس طرح شکار کرتے ہیں۔‘‘

فرانسیسی افسر، موت کے خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا اور شیر ان پر حملہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

پھر جیسے ہی شیر نے جست لگائی، ٹیپو نے پینترا بدل کر جنگلی درندے پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ شیر کی دھاڑ سے پورا جنگل گونج اٹھا۔

ٹیپو کی شمشیر نے اس کے دونوں اگلے پاؤں قطع کر دیے تھے اور شیر چند گز کے فاصلے پر اوندھا پڑا تھا۔

ایک بار پھر ٹیپو کی تلوار فضا میں لہرائی اور شیر کا سر اس کے جسم سے الگ ہو گیا۔

فرانسیسی افسر نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حیدر علی سے کہا۔

’’نواب بہادر! شہزادے کو سمجھائیے کہ جوانی کا اس قدر جوش بہت خطرناک ہوتا ہے۔‘‘

حیدر علی نے ٹیپو کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

’’فرزند! اگر تمہارا وار خطا کر جاتا تو جنگل کا شیر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا اور میں زندگی بھر اپنے شیر کا ماتم کرتا رہتا۔‘‘

’’بابا محترم!‘‘ ٹیپو نے سر جھکائے ہوئے انتہائی ادب و احترام کے ساتھ جواب دیا۔

’’ہر انسان کی موت کا وقت مقرر ہے۔ نہ ایک لمحہ پہلے، نہ ایک لمحہ بعد۔‘‘

’’مگر جان بوجھ کر اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنا کہاں کی دانش مندی ہے؟‘‘ حیدر علی کے لہجے میں ہلکا سا غصہ شامل تھا۔

ٹیپو خاموش ہو گیا۔ وہ بھی باپ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کرتا تھا۔

پھر اسی روز نواب حیدر علی نے ٹیپو کے وزن کی چاندی صدقے کے طور پر غریبوں میں تقسیم کر دی تھی۔

یہ اسی فطری شجاعت کا نتیجہ تھا کہ ٹیپو نے باپ کے کھوئے ہوئے تمام علاقے دوبارہ حاصل کر لئے تھے اور انگریزوں کو اتنی بار شکست دی تھی کہ عیار فرنگی اس کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے۔

صرف انگریز ہی نہیں، طاقتور مرہٹے بھی اس سے صلح کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

ٹیپو اپنی طاقت میں بھی مسلسل اضافہ کر رہا تھا اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے بھی اس نے نئی نئی اصلاحات نافذ کی تھیں۔

سلطنت خداداد کے بام و در پرسکون تھے اور رعایا آسودہ حال زندگی بسر کر رہی تھی کہ ایک دن ایک اور ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا۔

میر قمر الدین، ٹیپو کے سوتیلے ماموں میر علی رضا خان کا لڑکا تھا۔ میر علی رضا خان نے گرم کنڈہ کی ایک کنیز سے شادی کر لی تھی اور اس کے بطن سے میر قمر الدین پیدا ہوا تھا۔ اس کی ماں ایک جاہل اور پست خاندان سے تعلق رکھتی تھی، اس لئے میر قمر الدین کے خون میں بھی وہی خاندانی اثرات شامل ہو گئے تھے۔

اس کا باپ میر علی رضا خان ایک اعلیٰ ظرف اور وفادار سپاہی تھا۔

اس کے برعکس اس کا بیٹا میر قمر الدین ایک حاسد، سازشی اور نمک حرام نوجوان تھا۔

ٹیپو نے حیدر علی کی موت کے بعد صرف خاندانی قرابت کے خیال سے اُسے ترقی دے کر سپہ سالار بنا دیا تھا۔ جب سلطان، ادھونی کا محاصرہ کئے ہوئے تھا، اس وقت ارکاٹ کے مفتی سراج الدین محمود خان کا انتقال ہو گیا۔ وہ ایک لائق احترام شخصیت تھے۔

اس کے پیش نظر مفتی صاحب کا جنازہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ سرنگا پٹم روانہ کر دیا گیا۔ جنازے کے ساتھ امراء اور فوج کی موجودگی سے کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ ٹیپو کا انتقال ہو گیا ہے اور سلطان کی موت کو پردہ راز میں رکھا جا رہا ہے۔

بعض بدخواہوں نے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھایا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سلطنت خداداد کے گوشے گوشے میں یہ افواہ پھیل گئی کہ سلطان مر چکا ہے۔

ٹیپو ان افواہوں سے بے خبر ادھونی میں مصروف جنگ رہا اور افواہیں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ مختصر ہی مدت میں پورا ہندوستان ان کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے مکفرسن عارضی طور پر گورنر جنرل مقرر ہوا تھا۔

مکفرسن نے فوراً اپنا سفیر، میسور کے دارالحکومت کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ ٹیپو سلطان کے جانشین کو مبارکباد دے سکے۔ جب میر قمر الدین کو ٹیپو کے انتقال کی خبر ہوئی تو اس نے فوج کے ایک حصے کو بڑے انعام و اکرام کی لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے سرنگا پٹم کی طرف بڑھا۔

ادھونی کی مہم سے فارغ ہو کر جب ٹیپو دار السلطنت کی طرف پلٹا تو اس پر یہ خوفناک انکشاف ہوا کہ اس کی رعایا اسے مُردہ سمجھ رہی ہے۔ غرض سلطان نے بڑی مشکل سے اس بغاوت کو فرو کیا اور میر قمر الدین کو دو سال کے لئے نظر بند کر دیا۔

پھر ایک دن میر قمر الدین کی ماں، سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے بیٹے کے لئے معافی طلب کرنے لگی۔ ٹیپو نے ایک بار پھر اعلیٰ ظرفی سے کام لیا اور میر قمر الدین کو معاف کر دیا۔

قمر الدین ایک عیار انسان تھا۔ اس نے سلطان کے حضور چرب زبانی سے کام لیتے ہوئے کہا:

''مجھے حضور کی موت کی خبر نے بدحواس کر دیا تھا۔ اس وقت دوسرے لوگ بھی تخت پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ مجھے بھی میرے نفس نے گمراہ کر دیا ورنہ میں اپنے باپ کی طرح اس سلطنت کا جان نثار ہوں۔''

سلطان نے اس کی معذرت بھی قبول کر لی اور اسے اس کے سابقہ عہدے پر بھی بحال کر دیا۔ میر قمر الدین اقتدار کا بھوکا تھا۔ اپنے عہدے پر بحال ہوتے ہی اس نے ایک نئے انداز سے منصوبہ سازی شروع کر دی۔

ایک دن قمر الدین کی ماں، سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی۔

''سلطان محترم! ساری دنیا جانتی ہے کہ قمر الدین آپ ہی کے معزز خاندان کا ایک فرد ہے۔''

ٹیپو خاموش بیٹھا اُس کی گفتگو سنتا رہا۔

''اب میری خواہش ہے کہ آپ اس رشتے کو مزید اعتبار بخش دیں۔'' میر قمر الدین کی ماں نے کسی جھجک کے بغیر کہا۔

''شہزادی صفیہ اور قمر الدین کا رشتہ انتہائی مناسب رہے گا۔''

صفیہ، ٹیپو کی چھوٹی بہن تھی۔ قمر الدین سے اس کے رشتے کی بات سن کر ٹیپو کا خون کھول گیا مگر اس نے میزبانی کے آداب کو مجروح نہیں ہونے دیا۔

''میں خاندانی برتری پر یقین نہیں رکھتا مگر یہ حقیقت ہے کہ قمر الدین سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔''

سلطان نے بڑے شائستہ لہجے میں اپنے دل کی بات کہتے ہوئے اس رشتے سے انکار کر دیا تھا لیکن قمر الدین کی ماں اپنی جہالت کے سبب سلطان کے اس اشارے کو نہ سمجھ سکی اور مسلسل اصرار کرتی رہی۔

آخر ٹیپو کو صاف صاف انکار کرنا پڑا۔

''میں ذاتی طور پر اس رشتے کو پسند نہیں کرتا۔''

میر قمر الدین کی ماں نے تنگ نظر اور جاہل عورتوں کی طرح رونا شروع کر دیا۔

''اگر آج اس کے والد زندہ ہوتے تو کیا اس رشتے سے انکار ممکن تھا؟''

انتہائی قوت برداشت کے باوجود ٹیپو کے چہرے پر غصے کا رنگ نمایاں ہو گیا۔

''خدا میرے ماموں میر علی رضا خان کی مغفرت کرے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو آج صورت حال کچھ اور ہوتی۔''

''سلطان! آپ نے ایک بیوہ کا دل توڑا

ہے۔اس بات کو ہمیشہ یاد رکھئے گا۔" میر قمر الدین کی ماں، ٹیپو کو ایک کھلی بد دعا دے کر چلی گئی۔

پھر جب اس نے اپنے بیٹے کو سلطان کے انکار سے مطلع کیا تو میر قمر الدین کی فطری خباثت عود کر آئی۔ دراصل وہ اس رشتے کی آڑ میں سلطان کے زیادہ قریب ہونا چاہتا تھا اور پھر اسی قربت سے فائدہ اٹھا کر ٹیپو کی پشت میں خنجر اُتارنا چاہتا تھا۔مگر جب سلطان نے انکار کر دیا تو میر قمر الدین اپنی ماں کے سامنے بے نقاب ہو گیا۔

"میں ٹیپو سے اپنی توہین کا اس طرح بدلہ لوں گا کہ رہتی دنیا تک میرے انتقام کی داستان دہرائی جائے گی۔"

"ہاں بیٹے! اب میری بھی یہی خواہش ہے کہ ٹیپو کا پورا گھرانا برباد ہو جائے۔شہزادی صفیہ در بدر بھیک مانگتی پھرے۔"

وہ کم ظرف عورت دامن پھیلا کر اس شخص کو کوسنے دے رہی تھی جس نے نہ صرف اس کے بیٹے کی جان بخش دی تھی بلکہ ایک باغی کو اس کے سابقہ منصب پر بھی بحال کر دیا تھا۔

سلطان کی صفوں میں ایک اور غدار پیدا ہو گیا تھا جو بظاہر سلطنت خداداد کا سپہ سالار تھا مگر در پردہ حکومت کی بنیادیں کھوڈ ڈالنے کی قسمیں کھا رہا تھا۔

ٹیپو سلطنت کے استحکام کے لیے نئے نئے منصوبے بنا رہا تھا۔ نئے ہتھیار خریدے جا رہے تھے۔نئی فوج بھرتی کی جا رہی تھی اور بحری طاقت میں اضافہ کیا جا رہا تھا۔ان تمام منصوبوں کے پیچھے فرانسیسی سپہ سالار موسیو لالی کے مشورے بھی شامل تھے۔موسیو اکثر تنہائی میں سلطان سے کہا کرتا تھا۔

"ان فرنگیوں پر کبھی اعتبار نہ کیجئے گا۔ریاکاری ان کی سیاست ہے اور عیاری ان کا مذہب۔"

اگر چہ ٹیپو کو ابھی تک انگریزوں کی فریب کاری کا ذاتی تجربہ نہیں ہوا تھا لیکن پھر بھی وہ موسیو لالی کی باتیں بہت غور سے سنا کرتا تھا۔

اسی دوران ایک اور ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔میر قاسم علی عرصہ دراز سے سلطان کی ملازمت میں تھا اور ٹیپو اس پر بہت زیادہ اعتبار کرتا تھا۔ میر صادق کی طرح میر قاسم بھی بات بات پر خدا اور رسول ﷺ کی قسمیں کھایا کرتا تھا اور اکثر سلطان کے ساتھ مسجد اعلیٰ میں نماز پڑھا کرتا تھا۔

میر قاسم کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بہت زیادہ عبادت گزار انسان ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان اس سے بہت زیادہ متاثر تھا۔

حالانکہ میر قاسم بھی میر صادق اور میر غلام علی لنگڑے کی طرح حسن بن صباح کے پیروکاروں میں سے تھا اور اس نے بڑی ہوشیاری سے اپنے جسم پر ایک پرہیزگار مسلمان کی قبا سجا رکھی تھی۔میر قاسم کا وطن ریاست حیدر آباد کی سرحد پر واقع تھا۔

ایک دن میر قاسم، سلطان سے اجازت لے کر اپنے وطن کی طرف روانہ ہوا۔اس کے جاتے ہی میر صادق اور پورنیا نے سلطان سے شکایت

کرتے ہوئے کہا۔

"میر قاسم خفیہ طور پر بہت سا سرکاری سامان لے گیا ہے۔"

"پھر تم نے اسے روکا کیوں نہیں؟"، ٹیپو نے پورنیا اور میر صادق سے انتہائی ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

"حضور! ہم اس باز پرس کے مجاز نہیں تھے۔ کیونکہ میر قاسم خود بھی ایک اعلیٰ منصب دار ہے۔ یہ اطلاع بھی اس لئے دی کہ ہماری خاموشی آئین وفاداری میں جرم بن کر رہ جاتی۔"

ٹیپو نے فوراً ہی اس حکم کے ساتھ اپنے برق رفتار سپاہیوں کو روانہ کر دیا کہ میر قاسم علی کو پکڑ کر حاضر خدمت کیا جائے۔

پھر جب میر قاسم کو گرفتار کر کے لایا گیا اور اس کی تلاشی لی گئی تو ایک چیز بھی برآمد نہ ہو سکی۔ میر قاسم کا چہرہ مسخ ہو گیا تھا اور وہ لرزتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"سلطان معظم! یہ ہے میری وفاداریوں کا صلہ؟"

"نہیں میر قاسم! یہ محض ایک غلط فہمی کی بنیاد پر ہوا۔ بہر حال ہم تم سے معذرت خواہ ہیں۔"

ٹیپو نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

پھر میر قاسم اپنے وطن چلا گیا مگر اس کے دل میں سلطان کے خلاف گرہ پڑ گئی تھی۔

میر صادق اور پورنیا اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے اور انہوں نے سلطنت خداداد میں ایک نیا غدار پیدا کر دیا تھا۔

کچھ دن بعد میر قاسم، دارالحکومت واپس آیا تو سلطان نے اس کی تالیف قلب کے لئے اسے سرنگا پٹم کا قلعہ دار بنا دیا مگر میر قاسم کا دل سلطان کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ وہ ٹیپو سے اپنی توہین کا انتقام لینے کے لئے بے چین تھا اور کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہا تھا۔

سلطنت خداداد کی زمین میں سازشیں سرطان کے مرض کی طرح پھیلتی جا رہی تھیں۔ دوسری طرف انگریز بھی ٹیپو سلطان سے کئے ہوئے معاہدے کی دھجیاں اُڑا دینا چاہتے تھے مگر اتفاق سے کوئی بہانہ ان کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

اسی دوران عالمی سیاست میں ایک بڑا انقلاب رونما ہوا۔ امریکہ کی تمام ریاستیں انگلستان کی سیاسی قید سے آزاد ہو چکی تھیں اور اب برطانیہ کو اس کے نعم البدل کی تلاش تھی۔ امریکہ کی علیحدگی میں لارڈ کارنوالس کی بدانتظامیوں کا بڑا دخل تھا۔

انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر پٹ نے لارڈ کارنوالس کو ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا۔ یہ شاطر زمانہ انسان جب برطانیہ سے رخصت ہوا تو اس نے وزیر اعظم پٹ سے بہت پر جوش لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

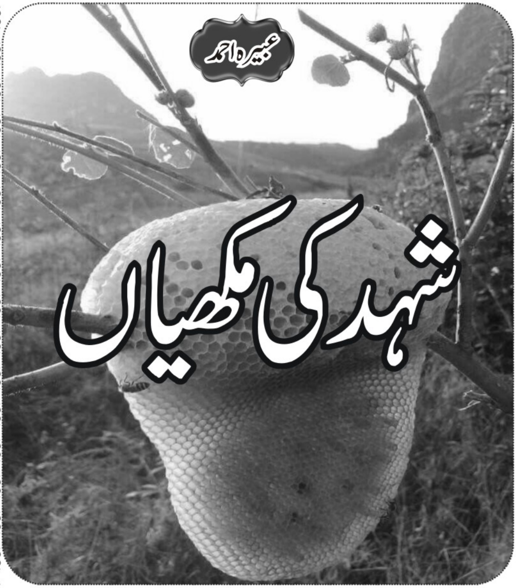

دنیا میں کیڑے مکوڑوں کی تعداد انسانی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق ان کی تعداد انسانوں سے تین گنا زیادہ ہے۔

بہت سے کیڑے انسانوں کے لئے مضر اور نقصان دہ ہوتے ہیں مگر بعض کیڑے مکوڑے اور مکھیاں انسانوں کے لئے بہت نفع بخش اور مفید ہوتے ہیں۔

شہد کی مکھیوں کو ان میں خاص مقام حاصل ہے جو اپنی ہنرمندی اور عجیب کاریگری سے نفع بخش عمدہ غذا م شہد تیار کرتی ہیں جس میں اشرف الخلوقات (انسانوں) کے لئے شفاء حق تعالیٰ نے رکھی ہے۔

شہد کی مکھیوں کی قسمیں

ہمارے ملک میں دو اقسام کی مکھیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ جن میں ڈنک ہوتا ہے اور دوسری جن میں ڈنک نہیں ہوتا۔ بغیر ڈنگ والی مکھیاں جو ہوتی ہیں ان میں میلی پوتانامی مکھیاں عام طور پر پائی جاتی ہیں۔

یہ مکھیاں اندھیری جگہوں میں رہتی ہیں۔ ان سے بھی موم اور شہد ملتا ہے۔ لیکن اس کی مقدار اور قسم اس قدر اچھی نہیں ہوتی ہے اس لئے لوگ اس کو اہمیت نہیں دیتے ہیں۔

ڈنگ والی مکھیوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک دوہ جو تاریک پسند ہیں اور دوسری وہ مکھیاں جو روشنی میں رہنا پسند کرتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ کھلے مقام میں پائی جاتی ہیں۔ روشنی میں رہنے والی مکھیاں دو طرح کی ہوتی ہیں ایک وہ جو بہت ہی چھوٹی ہوتی ہیں اور اکثر جھاڑیوں کی شاخوں پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

اور دوسری دہ جو کافی بڑی ہوتی ہیں اور کسی بلند مقام جیسے پانی کے تالاب یا بڑے درختوں کی

شاخوں پر اپنا پڑاؤ ڈالتی ہیں۔ ان دونوں طرح کی مکھیوں کی خاص خصوصیات یہ ہیں کہ یہ مکھیاں صرف ایک چھتہ بناتی ہیں چھوٹی مکھیاں ایک سے ڈیڑھ کلو تک شہد پیدا کرتی ہیں اس کے برعکس بڑی مکھیاں چالیس سے پچاس کلو تک شہد پیدا کرتی ہیں۔

چوں کہ یہ دونوں طرح کی مکھیاں کھلی فضاء اور روشنی میں رہنا پسند کرتی ہیں اس لئے ان پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے۔ یہ مکھیاں ایک جگہ سے دوسری جگہ موسم اور پھل پودوں کی موجودگی کے مطابق اپنا قیام منتقل کرتی رہتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی قوت پرواز محدود ہوتی ہے۔

اس لئے ان کو غذا حاصل کرنے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنا قیام منتقل کرنا پڑتا ہے۔ ڈنگ والی مکھیوں میں دوسری قسم اندھیرا پسند کرنے والی مکھیوں کی ہے۔ یہ عام طور سے ہمارے ملک میں کافی مقبول ہیں۔

یہ مکھیاں مندرجہ بالاذکر کی گئی دونوں قسم کی مکھیوں سے نہ بڑی ہیں اور نہ چھوٹی اس لئے ان کو درمیانی قد کی مکھیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ یہ مکھیاں ایک چھتہ کے بجائے سات سے دس چھتہ تک بناتی ہیں اور قدرتی طور پر یہ مکھیاں درختوں کے خول یا زمین کی سرنگ میں تاریک مقام پر پائی جاتی ہیں۔

یہ مکھیاں بھی خوشگوار موسم اور پھول کی موجودگی کے مطابق اپنا مقام منتقل کرتی ہیں۔

ان کی قوت پرواز چاروں طرف تقریباً ایک کلو میٹر ہے ان مکھیوں سے سات سے دس کلو شہد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

چوں کہ شہد کی مکھیاں اندھیرے میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ اس لئے سائنسی تکنیک کی مدد سے ان کو ایک بکس کے اندر ویسا ہی قدرتی ماحول پیدا کر کے قبضے میں رکھا جاتا ہے یہ اس لئے ممکن ہوسکا ہے کہ اس کے لئے ایک خاص قسم کے بکس کو ماہرین نے تیار کیا ہے۔

یہ بکس چاروں طرف سے بند ہوتا ہے گرچہ اس کے اندر ہوا کے آنے اور جانے کی گنجائش بھی ہوتی ہے اور اس کے ہر حصے کو آسانی کے ساتھ الگ کیا جاسکتا ہے تاکہ شہد کی مکھیوں کو آسانی سے دیکھا جاسکے اور ضرورت پڑنے پر اس کی صفائی بھی کی جاسکے۔

شہد کی مکھیوں کا خاندان

ایک ایسے بکس میں شہد کی مکھیوں کی ایک بستی ہوتی ہے جس میں تین قسموں کی مکھیاں پائی جاتی ہیں۔ پہلی رانی مکھی ہوتی ہے، دوسری مزدور کام کرنے والی، جن کی تعداد ایک بستی میں ہزاروں کی ہوتی ہیں۔ تیسری کچھ نر مکھیاں ہوتی ہیں۔ یہ مکھیاں ہمیشہ نہیں پائی جاتی ہیں لیکن یہ مکھیاں اس وقت کافی تعداد میں ہوتی ہیں جب رانی مکھی کو ان کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے

بعد جب تک ان کی بستی میں غذا کی فراوانی ہوتی ہے۔ مزدور مکھیاں انہیں قبول کرتی ہیں لیکن جیسے ہی غذا کی کمی ہوتی ہے ان کی تعداد بھی کم ہوجاتی ہے اور بعد میں نر مکھیاں بالکل ناپید ہوجاتی ہیں۔

رانی مکھی کا کام صرف انڈے دینا ہوتا ہے۔ انڈے سے بچے کے نکلنے کے بعد کا کام جیسے بچوں کو کھانا کھلانا اور ان کی حفاظت وغیرہ سبھی کام مزدور مکھیاں کرتی ہیں۔

کام کی تقسیم

خانہ داری کے مختلف کام جو مزدور مکھیاں کرتی ہیں وہ بھی آپس میں جو مختلف مکھیوں کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کچھ مزدور مکھیاں پھولوں سے رس پیتی ہیں۔ کچھ صرف زرد دانہ (پالن) اکٹھا کرتی ہیں اور کچھ دونوں ہی کام ایک ساتھ کرتی ہیں جبکہ کچھ پانی یا درختوں سے برو دپلیس ایک طرح کا گوند ہوتا ہے جسے وہ خالی جگہوں کو بھرنے کے لئے کام میں لاتی ہیں۔ یہ سارے کام جو گھر کے باہر کے ہوتے ہیں بیس یا بائیس دن کی عمر سے زائد کی مکھیاں کرتی ہیں۔

ان سے کم عمر کی گھر کے اندر کام انجام دیتی ہیں گھر کے اندر کام کی شروعات مکھیاں گھر کی صفائی سے شروع کرتی ہیں۔

یہ نئی نئی پیدا شدہ مکھیاں چھتے کے خانوں کی صفائی کرتی ہیں تا کہ رانی مکھی ان میں انڈے دے سکے۔ جیسے جیسے ان کی عمر بڑھتی جاتی ہے کام کی ذمہ داریاں بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں، اس کے بعد مکھیاں بچوں کو کھانا کھلانے کا کام کرنے لگتی ہیں۔

پھر چھتوں کی مرمت یا نئے چھتے بنانے کا کام ان کے سپرد ہوتا ہے اس دوران یہ مکھیاں گھر کے باہر نکل کر اپنے آپ کو رہائشی مقام کی پوری شناخت کراتی ہیں تا کہ وقت ضرورت وہ خود بھی باہر غذا کی تلاش میں نکلنے کے بعد بغیر پریشانی کے اپنے گھر واپس آسکیں۔

خانہ داری کا پورا کام ان مکھیوں کی اندرونی کیفیت پر منحصر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جب مکھیوں کے جسم کے اندر غذائی رقیق پیدا کرنے والے اعضاء رقیق پیدا کرنے کی حالت میں ہوتے ہیں تو مکھیاں بچوں کو کھلانے کا کام کرتی ہیں لیکن عمر بڑھنے کے ساتھ یہ اعضاء غذائی رقیق پیدا کرنا بند کر دیتی ہیں۔

اوپر دوسرے اعضاء جنہیں ویکس گلینڈ..جو موم پیدا کرتے ہیں پائے تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں اور پھر مکھیاں موم پیدا کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

اس عمل سے پھر مکھیاں نئے چھتے بنانا شروع یا اس کی مرمت کا کام شروع کر دیتی ہیں۔ اس طور پر بستی کی ساری مکھیاں مل جل کر خاندان کی ضروریات پوری کرتی ہیں۔

خانہ داری کے فرائض انجام دینے کا یہ کام

بیس بائیس دنوں کی عمر تک کی مکھیاں انجام دیتی ہیں اس سے زیادہ دنوں کے عمر کی مکھیاں باہر کا کام انجام دینا شروع کر دیتی ہیں جو عموماً چھ یا سات ہفتے کا ہوتا ہے۔

اس طرح خاندان کا پورا نظام مزدور مکھیوں پر منحصر ہوتا ہے۔ وہی سارے خاندان کے کام کو سنبھالتی ہیں۔ یہ مکھیاں اگر محسوس کرتی ہیں کہ رانی مکھی ضرورت کے مطابق (مطلوبہ مقدار) انڈے نہیں دے رہی ہے یا اگر رانی مکھی نے انڈے دینا بندر کر دیا ہے تو یہ مکھیاں پھر ایک نئی رانی مکھی انڈے دینے کے لئے تیار کر لیتی ہیں۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ یہ رانی مکھی پیدا کیسے ہوتی ہے؟ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ایک بستی میں تین قسم کی ذاتیں پائی جاتی ہیں۔

وہ ہیں مزدور مکھیاں، رانی مکھیاں اور نر مکھیاں یہ تینوں اقسام کی مکھیاں لینے کے مختلف خلیات (خانوں) میں جن کی جسامت ایک جیسی نہیں ہوتی ہے ان کے خانے مختلف ہونے کی وجہ سے مزدور مکھیوں کو معلوم ہوتا ہے کہ کس شکل کی مکھی پیدا ہونے والی ہے اور اسی کے مطابق مزدور مکھیاں ان کے لئے کھانا مہیا کرتی ہیں۔

رانی مکھی کے لئے ایک قسم کا خلیہ (سیل) تیار کیا جاتا ہے جو کافی بڑا ہوتا ہے اور اس خلیہ میں رانی مکھی انڈا دیتی ہے اگر رانی مکھی انڈہ نہ دے رہی ہو یا بستی میں موجود ہی نہ ہو تو مزدور مکھیاں کسی دوسرے خلیہ سے انڈے یا ایک دو دن کے بچے کو اس خاص خلیے میں رکھ دیتی ہیں اور پھر ان کو ایک خاص قسم کا کھانا ''رائل جیلی'' تین دن کے بعد سے شدت کے ساتھ کھلاتی ہیں اور آخر کار ایک نئی رانی وجود میں آتی ہے۔

مندرجہ بالا حالات میں صرف ایک رانی مکھی پیدا ہوتی ہے جو پرانی رانی مکھی کا مقام حاصل کر لیتی ہے لیکن جب موسم خوشگوار ہو اور غذا کی فراہمی ہوتی ہے تو پرانی رانی کی موجودگی کے باوجود بہت ساری نئی رانی مکھیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ہر ایک رانی مکھی کچھ مزدور مکھیوں کو لے کر اپنا نیا گھر بساتی ہیں اور اس طرح قدرتی طور پر ان مکھیوں کی نشوونما ہوتی رہتی ہے جس سے ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب نئی رانی مکھی پیدا ہوتی ہے یا ہونے والی ہوتی ہے تو پرانی رانی مکھی کچھ مزدور مکھیوں کو لے کر اپنے گھر سے باہر نکل آتی ہے اور کچھ دیر کے لئے نئی شاخوں پر اپنا بسیرا اڈالتی ہے۔

ایسی حالت کو (سوارم) کہتے ہیں اور یہ جھنڈ تین سے چار گھنٹوں بعد کسی درخت کے خول یا مٹی کی سرنگ میں قیام کیلئے منتقل ہو جاتا ہے۔

☆......☆......☆

سکوتِ شب میں ذکرِ الٰہی

حنا نور

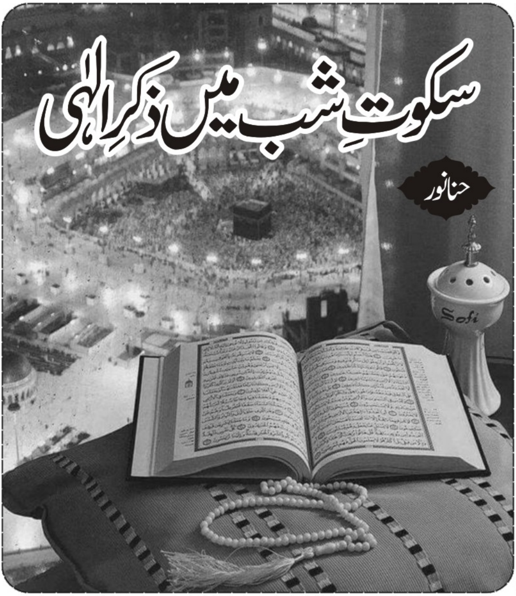

سردیوں کی راتیں آتے ہی ایک انوکھا سا سماں بندھ جاتا ہے۔

ٹھنڈ ایسی کہ جیسے ہوا نے برفانی لباس پہن لیا ہو اور ہر چیز کو اپنے یخ لمس سے جگا دیا ہو۔

راتوں کا اندھیرا، جسے بسا اوقات تنہائی سے تعبیر کیا جاتا ہے، سردیوں میں ایک خوشگوار سا سکون بن جاتا ہے۔

چائے کی گرم پیالی، جس سے اٹھتی بھاپ آسمان تک جانے کی خواہش کرتی ہے۔

اور کمبل کی گرمی میں سمٹنا ایک الگ ہی تجربہ بن جاتا ہے اور بھلا انگیٹھی کے پاس بیٹھ کر باتوں کا وہ سلسلہ کیسے بھلایا جا سکتا ہے جو شروع تو چائے کے ذائقے سے ہوتا ہے، لیکن بات سے بات نکلتی ہے اور پھر قصے کوئلوں کی طرح دہکتے رہتے ہیں۔

اب یہ نہ سمجھئے کہ یہ سب ایک شاعرانہ ماحول ہی ہے، نہیں جناب! حقیقت یہ ہے کہ سردیوں میں جہاں دل محبت کی چادر اوڑھ لیتا ہے، وہیں ہنسی مذاق کی محفلیں بھی کچھ کم نہیں ہوتیں۔

کبھی گرم پانی کے نہ آنے کی فکر میں گھر کے افراد ایسے گھبرائے پھرتے ہیں جیسے دنیا کے سب سے بڑے مسئلے کا سامنا ہو۔

اور اس وقت جب کوئی مزاحیہ انداز میں کہہ دے کہ ”یار! گرم پانی کی قیمت تو سونے سے بھی زیادہ لگنے لگی ہے“ تو سب ایک پل کے لیے اس بات پر مسکرا دیتے ہیں۔

یہ موسم جہاں جسم کو کپکپا دیتا ہے، وہیں دل کو نرم اور حساس بھی کر دیتا ہے۔

سردی کے اس احساس سے ہمیں اپنے ارد گرد کے لوگوں کا بھی خیال آتا ہے۔

اس وقت ہم ان لوگوں کے بارے میں

سوچتے ہیں جن کے پاس نہ گرم کپڑے ہیں، نہ کمبل کی آسائش، اور نہ ہی کوئلوں کی دہکتی ہوئی انگیٹھی۔ سردیوں کا یہ موسم ہمیں دکھ بھی دیتا ہے اور سکھ بھی، لیکن یہ دکھ اور سکھ دونوں اللہ کی قربت کا ایک پیغام لے کر آتے ہیں۔

ایسے میں، سردیوں کی یہ لمبی راتیں ہمیں اللہ پاک کی محبت میں غرق ہونے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ جب دنیا نیند کی آغوش میں گم ہو، تو یہ راتیں ہمیں اللہ رب العزت کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی دعوت دیتی ہیں۔

ان لمحات میں ہم اپنے گناہوں کی معافی مانگ سکتے ہیں، اپنے دل کے بوجھ ہلکے کر سکتے ہیں اور اللہ پاک کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

اب اگر ہم سردیوں کی یہ راتیں اپنی زندگی کا اہم حصہ بنائیں تو اس وقت کا سب سے بہترین مصرف کیا ہو سکتا ہے؟

یہ لمحات ذکر الٰہی سے روشن ہو سکتے ہیں۔ رات کی خاموشی اور سردی کی شدت، جب سب سو رہے ہوں، تو یہی وقت ہوتا ہے کہ ہم اپنے دل کی باتیں اللہ پاک سے کریں، اس کی محبت کو محسوس کریں، اور اپنی روحانی طاقت کو بڑھائیں۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سردیوں کی ٹھنڈ میں تہجد پڑھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے، اور سچ تو یہی ہے کہ یہ راتیں ہمیں اللہ رب العزت کے قریب لے جانے کا بہترین ذریعہ بنتی ہیں۔

آئیں! ان لمبی راتوں کو مفید بنائیں، دل کو نرم کریں، دوسروں کے لیے رحم کا جذبہ پیدا کریں، اور اللہ پاک کا شکر ادا کریں۔

کیونکہ یہ سردیوں کی راتیں ہمیں موقع فراہم کرتی ہیں کہ ہم اپنی زندگیوں کو دین کے قریب کریں، اپنی عبادات کو سنواریں اور اپنی دعاؤں میں سچائی پیدا کریں اور کیوں نہ کریں، جب اللہ رب العزت خود کہتا ہے:

”وہ اپنے بندوں کے قریب ہوتا ہے اور ان کی دعاؤں کو سنتا ہے۔“

☆......☆......☆

کلمہ کی فضیلت

یہ کلمہ ”لا إلٰه إلا الله محمد رسول الله“ اتنا قیمتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جل رہا ہوگا اور جہنم کی تہہ میں ہوگا اور جل کر کوئلہ بن چکا ہوگا۔

اللہ رب العزت اس کلمے کی برکت سے اس کو جہنم کی تہہ سے نکال کر جنت میں داخل کر دے گا۔

مراسلہ: محمد حنظلہ امیر پوری

"سنو! پپو! میری شرٹ استری کر دینا اور ذرا دماغ حاضر کر کے، یہ نہ ہو جلا دو!

آج شام کو ہم دوستوں نے میچ رکھا ہے میں یہی پہن کر جاؤں گا۔"

13 سالہ علی نے انتہائی بدتمیز لہجے میں گھر پر کام کرنے والے ملازم کو حکم صادر کیا۔

"جو حکم چھوٹے مالک!"

پپو نے مؤدبانہ انداز میں سر خم کیا۔

"ہونہہ! یہ فرمانبرداری تو بس دکھاوا ہے، تم اور وقت پر ٹھیک سے کام ہو جائے ہو ہی نہیں سکتا کام چور کہیں کے۔" علی نے نخوت سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

پپو حیران رہ گیا۔

"یہ علی میاں کو کیا ہو گیا ہے پہلے تو کبھی اس لہجے میں بات نہیں کی انہوں نے۔" پپو نے سوچا۔

"یہ غریبی اور مجبوری انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی، یا اللہ! اپنا کرم کر!" پپو نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دل میں دعا کی اور شرٹ لیے آگے بڑھ گیا۔

دور کھڑے دادا جان اور علی کی والدہ حیران نظروں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے علی کی بہت اچھی تربیت کی تھی وہ سب کا ادب کرتا تھا۔

اس کا یہ انداز ان کے لیے بالکل نیا تھا۔

"ابا جان۔۔۔!" امی نے فکرمندی سے دادا جان کو مخاطب کیا۔

"پریشان نہ ہو بہو! سب ٹھیک ہو جائے گا، ہمارا علی تو بہت اچھا بچہ ہے۔ کوئی تو وجہ ہے اس کے اس بدلاؤ کی جو ہم دیکھ نہیں پا رہے، میں بات کروں گا اس سے۔"

دادا جان نے چشمہ درست کرتے ہوئے غیر مرئی نقطے کو

گھورتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

علی ماں باپ کا اکلوتا اور بے حد لاڈلا تھا۔ وہ ایک خوبصورت گھر میں امی ابو اور دادا جان کے ساتھ رہتا تھا اور وہ سب باہم بہت خوش تھے۔

گھر میں دولت کی ریل پیل تھی لیکن اس کے باوجود مکینوں میں غرور و تکبر کی ذرا سی رمق بھی نہ تھی، عاجزی ان کی طبیعت کا خاصہ تھی۔

ملازمین ان کے ہاں کام کرنے پر بہت خوش تھے۔

امی، ابو اور دادا جان علی کی بھی یہی تربیت کرتے کہ سب کا ادب کرنا چاہیے اور کسی کو بھی خود سے کمتر نہیں سمجھنا چاہئے لیکن اب علی کا ملازمین کے ساتھ بے جا بدتمیزی کرنا سب کو پریشان کیے ہوئے تھا۔

☆......☆......☆

''نکمّے! کام چور! تم نے میری شرٹ جلادی، دھیان کہاں ہوتا ہے تمہارا۔ تمہیں یہاں کام کرنے کے لیے رکھا ہے نہ کہ نقصان کے لیے۔''

علی پپو پر چلا رہا تھا اور وہ بے بس سا سر جھکائے کھڑا تھا۔

علی کی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی امی اور دادا جان تقریباً بھاگتے ہوئے وہاں آئے اور وہاں کی صورتحال دیکھ کر سارا معاملہ سمجھ گئے۔

''بس کردو علی! غلطی انسانوں سے ہی ہوتی ہے۔ کیا ہوگیا ہے تمہیں؟

کہاں سے سیکھا ہے یہ انداز؟ کب تک ہم تمہاری ہٹ دھرمی برداشت کریں؟

تمہیں یہ سمجھ بھی نہیں رہی کہ جس پر تم بدتمیزی سے چلا رہے ہو وہ عمر میں تم سے کتنا بڑا ہے، ہم نے تمہاری یہ تربیت تو نہیں کی تھی۔''

امی آنکھوں میں آنسو لیے غصے اور بے بسی سے کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔

امی کی باتیں سن کر علی پریشان سا اپنے کیے پر غور کرنے لگا۔

''پپو بیٹے! جاؤ تم!

کوئی اتنا بڑا نقصان نہیں ہوا۔''

دادا جان نے نرمی سے کہا اور پپو شرمندہ سا وہاں سے چل دیا۔

''علی! آپ میرے ساتھ آؤ!'' دادا جان نے گم سم کھڑے علی کو دیکھا اور شفقت سے کہا۔

علی حکم کی تعمیل کرتا سر جھکائے ان کے پیچھے آیا اور ان کے ساتھ دالان میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔

''علی! آپ تو اچھے بچے ہو تو یہ آپ نے کیا کیا؟'' دادا جان نے علی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

''دیکھیں ناں دادا جان! یہ ہمارے ملازم ہیں اگر ہم ان کو ان کی اوقات میں رکھیں گے تو ہی صحیح رہے گا، نہیں تو یہ ہمارے سر پر بیٹھ جائیں

گے۔میں تو ٹھیک کر رہا ہوں نا لیکن اس کے باوجود امی مجھ سے ہی ناراض ہوگئی ہیں۔"

اتنی کچی عمر میں پوتے کے منہ سے اس طرح کی باتیں سن کر دادا جان انگشت بدنداں رہ گئے۔"

"ایسا آپ سے کس نے کہا؟" دادا جان نے خود کو مطمئن ظاہر کرتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

"دادا جان! میں اپنے دوست ناصر کے گھر گیا تھا ناں، تو میں نے دیکھا کہ ناصر اس کے گھر والے بلکہ وہ خود بھی ملازموں کو کھینچ کر رکھتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ اگر ان کے ساتھ نرمی برتو تو یہ سر پر بیٹھ جاتے ہیں۔"

علی اپنی ہی جون میں بول رہا تھا۔

"بہت بری بات ہے بیٹا! یہ ایک غلط نظریہ ہے ایسا تو بالکل بھی نہیں۔اب دیکھو! جب آپ ملازمین کے ساتھ اچھے طریقے سے رہتے تھے تو تب کبھی انہوں نے کوئی شکایت کا موقع دیا تھا؟"

"نہیں!"

"جب شکایت کا موقع ہی نہیں دیا تو پھر بھی اگر آپ ان کے ساتھ بے وجہ برا سلوک کرو گے تو نا صرف سب آپ کو برا بچہ کہیں گے بلکہ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ بھی آپ سے ناراض ہو جائیں گے۔اس کے ساتھ ہی بیٹا تھوڑی بہت غلطیاں تو ہوتی رہتی ہیں درگزر کرنا سیکھو! کیا کبھی آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی؟

ہمارے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کا مفہوم مبارک ہے:

"یہ (ملازمین) تمہارے بھائی ہیں۔اللہ نے انہیں تمہارا دستِ نگر بنایا ہے، انہیں وہی کھلاؤ، جو تم خود کھاتے ہو۔وہی پہناؤ، جو تم خود پہنتے ہو اور ان کو ایسے کام پر مجبور نہ کرو، جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو، پھر اس کام میں خود بھی اس کی مدد و اعانت کرو!"

نیز اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے بڑوں کا ادب کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔

پپو میاں اور گھر کے دیگر تمام ملازمین آپ سے عمر میں بھی بڑے ہیں۔

آپ کو پتہ ہے ناں کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی پیروی سے ہمیں جنت ملے گی جبکہ آپ، آپ ﷺ کے فرمان کے خلاف عمل کر رہے ہو، اور آپ نے انجانے میں اپنی والدہ کا بھی دل دکھایا ہے جبکہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔جب وہ ناراض ہوگی تو جنت میں کیسے جاؤ گے؟

اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہمیں بری مجلس، برے دوستوں سے بچنا چاہیے کیونکہ انسان بہت جلد اپنے دوستوں کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔شریعت میں برے دوست کی مثال لوہار کی بھٹی سے دی گئی ہے جو بدن یا کپڑا جلاتی ہے یا بو سونگھاتی ہے۔

سیانے کہتے تھے کہ اگر کسی انسان کے بارے

میں جاننا ہو تو اس کے دوست دیکھو کون ہیں؟ آپ نے اپنی پہچان کیا بنائی؟
علی بیٹا! اب آپ غور کرو کہ آپ کتنے گناہوں کا مرتکب ہوئے؟''
علی سر جھکائے دادا جان کی باتیں سن رہا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
''دادا جان! مجھے معاف کردیں میں نے آپ سب کا دل دکھایا۔
میں اللہ جی سے بھی معافی مانگوں گا، پپو بھیا سے بھی، مجھے وہ معاف کردیں گے اور امی کو بھی منالوں گا۔
اور آئندہ ایسا کچھ نہیں کروں گا جس سے کسی کا دل دکھے۔''
''شاباش میرا پیارا بیٹا!''
دادا جان نے محبت سے کہا اور علی نئے عزم کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔
سب کچھ ٹھیک ہو رہا تھا کیونکہ بھٹکا مسافر راہِ راست پر آگیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کون تھے؟؟

شمارہ ماہ جمادی الاول 1446ھ کی انعام یافتہ

بنت قاری رفیق

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

محمد حذیفہ، بنت عثمان، ہمشیرہ محمد احمد، خالدہ فاروق، قاری محمد اسحاق
ابوبکر محمد، ظہیر احمد، ثمینہ فاروق، ہمشیرہ عثمان ملک، نبیلہ احمد، محمد صدیق
شہزادا احمد، زنیرہ جبیں، نسیم احمد، محمد حسان، محمد نبیل، عبدالماجد، محمد قاسم

ان کی عمر دس سال تھی۔ ایک دن انہیں پتہ چلا کہ ان کے بڑے بھائی نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ لیا ہے۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کی والدہ بڑے بھائی سے سخت ناراض ہیں اس کے باوجود انہوں نے اپنے بھائی سے پوچھا:

''کیا میں بھی سچے دین میں داخل ہوسکتا ہوں؟''

بھائی نے جواب میں کہا: ''جی ہاں!''

تب انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بن گئے۔

اللہ تعالیٰ نے کم عمری میں ہی کئی سعادتیں ان کے نصیب میں لکھ دی تھیں۔ دس سال کے تھے کہ اسلام قبول کیا، چودہ سال کے تھے کہ ہجرت مدینہ منورہ کی سعادت سے فیض یاب ہوئے اور پھر سولہ سال کی عمر اسلام کے پہلے معرکے میں شرکت کا شرف بھی مل گیا۔

اس معرکے میں شرکت کا انہیں بڑا شوق تھا۔ انہیں پتہ تھا کہ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ لیا تو کم عمر ہونے کی وجہ سے روک دیں گے۔ اس لیے لشکر اسلام کے روانہ ہونے سے پہلے چھپتے پھر رہے تھے۔

بڑے بھائی نے دیکھا تو پوچھا کہ ایسا کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ مجھے خدشہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے شرکت سے روک دیں گے حالانکہ میں چاہتا ہوں کہ میں ضرور شریک ہوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی نعمت عطاء فرمادے۔

پھر ایسا ہی ہوا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور کم عمر ہونے کی وجہ سے واپس جانے کا فرمان جاری کیا۔یہ سن کر جہاد کی محبت کی وجہ سے رونے لگ گئے۔ان کا جذبہ دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی اور ان کی کمر کے ساتھ بندھی میان کو خود اپنے مبارک ہاتھوں سے درست فرمایا۔

انہوں نے لڑائی میں حصہ لیا اور خوب بہادری سے لڑے۔ان کی بہادری اس بات سے ثابت ہوتی ہے کہ آخر میں ان کا مقابلہ کفار کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود سے ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ اس کے ہاتھوں شہید ہوئے۔یہ وہی جنگجو ہے جسے غزوہ خندق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔

اس جنگ میں ان کے بڑے بھائی نے بھی خوب بہادری دکھائی۔انہوں نے تین کفار کے ہاتھ باندھ کر انہیں قیدی بنایا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پیش کیا، اس کے علاوہ انہوں نے کفار کے مشہور سالار سعد بن عاص کو بھی قتل کیا۔اس کی تلوار ذوالکتیفہ بہت مشہور تھی۔انہوں نے وہ تلوار لے لی۔اس وقت تک مال غنیمت کے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکامات نازل نہیں ہوئے تھے اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

”تلوار مال غنیمت میں رکھ دو!“

مسند احمد کی حدیث نمبر 1474 کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر انہوں نے تلوار رکھ دی۔ان کا دل غم سے بھر گیا۔ایک بھائی کی شہادت کا صدمہ اور دوسرا مال غنیمت کا نہ ملنا۔اسی وقت سورت انفال کی آیات نازل ہوئیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور فرمایا:

”اپنی تلوار اٹھا لو!“

یوں سعد بن عاص کی مشہور تلوار ذوالکتیفہ ان کو مل گئی۔

بچو! کیا آپ نے ان کم سن صحابی کو پہچانا جنہوں نے سولہ سال کی عمر میں درج ذیل اعزاز حاصل کیے:

1۔صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنے۔

2۔ہجرت کی۔

3۔جہاد کیا۔

4۔شہادت حاصل کی۔

5۔بدری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل ہوئے۔

ان کا نام ہمیں لکھ کر ضرور بھیجیں۔

☆ ☆ ☆

شمارہ ربیع الثانی کا درست جواب:
حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ

دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

محترم جناب بوجھ بجھکڑ

سوال: بوجھ بجھکڑ صاحب! ماں کے قدموں تلے جنت ہے اور باپ کے قدموں تلے کیا ہے؟

☆ باپ کے قدموں تلے ماں کی جنت ہے۔

☆......☆......☆

محترم جناب بوجھ بجھکڑ

سوال: بوجھ بجھکڑ صاحب! موجودہ دور میں آنکھیں بھیگنے کی وجوہات کیا ہیں؟

☆ پانی سے منہ دھونا۔

☆......☆......☆

☆......☆......☆

محترم جناب بوجھ بجھکڑ

سوال: بوجھ بجھکڑ صاحب! اپنی قبر آپ کھودنے سے کیا مراد ہے؟

☆ اس سے مراد ہے اپنی قبر آپ کھودنا۔

☆......☆......☆

محترم جناب بوجھ بجھکڑ

سوال: بوجھ بجھکڑ صاحب! کیا ہنستی ہوئی عورت اور روتے ہوئے مرد پر اعتبار کرنا چاہیے؟

☆ ہنستی ہوئی عورت پر روتے ہوئے اور روتے ہوئے مرد پر ہنستے ہوئے اعتبار کر لینا چاہیے۔ آگے اللہ مالک ہے۔

☆......☆......☆

محترم جناب بوجھ بجھکڑ

سوال: محترم بوجھ بجھکڑ صاحب! میرا محنت کرنے کو دل بالکل نہیں کرتا اور میں چاہتا ہوں کہ کلاس میں فرسٹ آؤں۔کوئی ایسا نسخہ خاص بتائیے کہ میری یہ خواہش پوری ہو جائے۔؟

☆اس کا نسخہ یہ ہے کہ ایسی کلاس میں داخلہ لے لیں جس میں آپ اکیلے ہوں۔

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

سوال: سنا ہے کہ آپ ہر روز ایک پاؤ بادام بمع دیسی گھی اور ایک کلو دودھ پی کر اپنے ذہن کو تیز کرتے ہیں اور لوگوں کے مسئلے حل کرتے ہیں ۔سوال یہ ہے کہ سیاست دان اس سلسلے میں آپ سے راہنمائی کیوں نہیں لیتے؟

☆یہ خوراک کھانے سے ذہن نہیں پیٹ تیز ہوتا ہے محترم!

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

سوال: میں کافی ٹائم سے سوچ رہا تھا کہ اگر ملتانی مٹی لگانے سے رنگ گورا ہوتا ہے تو سارے ملتان والے انگریز ہوتے اس آپ کیا کہیں گے؟

☆اتنی فضول بات کافی ٹائم سوچنے پر آپ کو سیلوٹ۔

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

سوال: آج کل جیسے سردی کا موسم ہے ہم لوگ مچھلی کھاتے ہیں تو سوال یہ تھا کہ ہم مچھلی لینے جاتے ہیں تو مچھلی کی آنکھیں ہر وقت کھلی کیوں رہتی ہیں؟

☆وہ اپنے کھانے والے کو دیکھنا چاہتی ہے۔

☆......☆......☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب

سوال: آپ اتنے ذہین ہیں تو آپکی ذہانت کا امتحان لینا ہے سوال یہ ہے کہ وہ کیا ہے جو سردی میں ہو یا گرمی ٹھنڈی ہی رہتی ہے؟

جواب: چلتی ہوئی فریج میں رکھی ہوئی بوتل۔

☆......☆......☆

اچھی باتیں

مصیبت میں گھبرانا اور بڑی مصیبت ہے۔

حرام کاموں سے خود کو روکنا بھی صبر کی دوسری قسم ہے۔

خدا کی مخلوق سے نیکی کرنا شکر ادا کرنے کے برابر ہے۔

سادگی ایمان کی علامت ہے۔

سب سے بڑا دشمن انسان کا نفس ہے۔

بیوقوف جب تک خاموش رہتا ہے عقلمندوں میں شمار ہوتا ہے۔

تکبر، علم کا اور غصہ، عقل کا دشمن ہے۔

حد سے زیادہ مال جمع نہ کرو کیونکہ کفن میں جیب نہیں ہوتی۔

معاف کر دینا انتقام لینے کا بہترین طریقہ ہے۔

(ساجدہ مظفر، فیصل آباد)

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ!

جمادی الاولیٰ کا مسلمان بچے ملا۔سب سے پہلے درس قرآن وحدیث سے فیضیاب ہوئے۔ اس کے بعد حمد ونعت سے دل و جان کو سرور بخشا۔اداریہ موبائل فون کے بے جا استعمال کے نقصانات پہ مشتمل تھا۔تجاویز بھی عمدہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

اس شمارے کی تمام تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔

البتہ جانباز کی کمی محسوس ہوتی ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ زبیر طیب بھائی کے اوقات میں برکات عطا فرمائے اور وہ جانباز کی طرح ایک اور سلسلہ شروع کرسکیں۔

حضرت امیر محترم حفظہ اللہ نے بزم عشق سجائی تھی۔ہم نے بھی عقیدت ومحبت کے ساتھ اس بزم میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔دانیال حسن بھائی نے انداز گلستان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کو بیان کیا ہے اور بہت خوب صورت پیرائے میں لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے، خاص طور پر اہل فلسطین کی نصرت و حفاظت فرمائے آمین ثم آمین والسلام مع الاکرام

محمد فیصل علی

☆......☆......☆

محترم مدیر صاحب

السلام علیکم! امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے دعا ہے کہ ہمیشہ خیریت سے رہیں اللہ

پاک آپ کو ہمیں بلکہ پوری امت مسلمہ کو دین پر چلنے کی اور حضرت آقا مدنی ﷺ کی سنتوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

میں یہ خط پہلی مرتبہ لکھ رہی ہوں امید ہے کہ آپ میرا یہ خط شائع کر کے میری حوصلہ افزائی ضرور فرمائیں گے میں اور رسالے بھی پڑھتی ہوں لیکن یہ رسالے تو بہت اعلیٰ اور بہترین ہے۔

سب تحریریں بہت اچھی ہوتی ہے جانباز کی تحریر پڑھ کر بہت مزہ آتا تھا لیکن افسوس اب نہیں ہے۔

شاید ہمیں آگے کچھ اور پڑھنے کو ملے۔امیر محترم حفظہ اللہ کی خدمت میں بہت بہت عقیدت بھرا اسلام اور دعاؤں کی درخواست۔

والسلام:

بنت شہزاد

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ:

ہمارے قارئین کرام لکھاری حضرات اور محترم ومکرم مدیر صاحب پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو۔حالیہ شمارے پر تبصرہ حاضر خدمت ہے۔

سب سے پہلے ایک نگاہ سرورق پر ڈالی، ڈیزائنگ بڑی عمدہ تھی اس کے بعد اداریہ پڑھا جو کہ ہمیشہ کی طرح بے حد مفید اور اعلیٰ رہا، اس کے بعد سرورق کہانی اللہ کے پیارے“، بیگم سیدہ ناجیہ شعیب احمدؔ کہانی بڑی پسند آئی۔

مسلمان بچے میں اب ماشاء اللہ سے کافی بہترین اور سبق آموز کہانیاں پڑھنے کو مل رہی ہیں جیسے احسن القصص، میں کیوں نہ روؤں، شوق کتب، ایک نوجوان کے آنسو وغیرہ۔اس بار آرٹ گیلری میں بھی کافی شاندار آرٹ دیکھنے کو ملے۔

راز سربستہ جسے پڑھ کر ہماری معلومات میں بھی اچھا خاصا اضافہ ہوا، دانش کدہ“ میں امام العقلاء جناب بوجھ بجھکڑ صاحب نے بڑے عمدہ اور خوبصورت جواب دیئے، آپ کی دانش کا کوئی مقابلہ نہیں جناب۔

آدھی ملاقات میں اس بار خطوط بہت کم پڑھنے کو ملے لیکن سارے اچھے تھے۔غرض کہ پورا شمارا بہترین اور زبردست تھا۔ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو مزید ترقیاں عطاء فرمائے۔آمین

اور آخر میں بڑی ہمت کر کے محترم مدیر صاحب آپ سے ایک عدد گزارش کرنا تھی جیسا کہ قارئین کرام کی خواہش ہے اور انکا اصرار بھی بڑھ رہا ہے کہ رسالے میں کوئی سلسلہ وار کہانی ہو تو محترم مدیر صاحب یا آپ کوئی سلسہ وار کہانی شروع کریں تا کہ ہم اس سے فائدہ اٹھاسکیں یا جیسے جانباز ختم ہوئی ہے تب سے ابھی تک ایسا کچھ سامنے نہیں آیا تو ہم سب کی درخواست ہے دونوں حضرات وہ کچھ ایسا لکھیں کہ ہمیں رسالہ پڑھنے میں وہی مزہ آئے جیسے پہلے آتا تھا۔

امید ہے کہ آپ ہماری راہنمائی فرمائیں

گے، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو

''والسلام''

خالدہ صدیق

☆......☆......☆

السلام علیکم

محترم مدیر صاحب امید کرتی ہو آپ سب خیریت سے ہونگے اس ماہ کا رسالہ بہت شاندار اور بہت پر کیف تھا۔

ماشاء اللہ تمام تحریریں بہت ہی شاندار تھی اور راز سربستہ اپنی مثال آپ ہے وہ مسلمان بچے کی جان ہے ماشاءاللہ۔

اللہ تعالیٰ تمام قارئین اور اس رسالے پر کام کرنے والوں کو اپنی حفاظت میں رکھے اور اپنی راہ میں قبول فرمائے، آمین۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مدیر صاحب اور تمام مجاہدین بھائیوں کو اور امیر المومنین مولانا محمد مسعود ازہر کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

میری چھوٹی درخواست ہے کہ جس طرح سلطان ٹیپو ہے اس طرح کے اور سلسلہ نما کہانی چلائیں جو اس دور کے ہمارے آئیڈیل ہیں ان پر ایک مستقل سلسلہ لکھا جائے آپ کی مہربانی ہوگی۔

آخر میں میری طرف سے سب کو اور امیر محترم حفظہ اللہ کو میرا سلام

والسلام:

عمر فاروق

☆......☆......☆

محترم مدیر صاحب

السلام علیکم!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہونگے، میں پہلی بار خط لکھ رہی ہوں اس سے پہلے کہ میں کچھ عرض کروں۔

میں اپنے پیارے مجاہدین بھائیوں کو اور مولانا مسعود ازہر کو سلام پیش کرتی ہوں۔

ماشاء اللہ ہر بار کی طرح اس بار بھی ''مسلمان بچے'' رسالہ بہت زبردست تھا۔

مزاحیہ بوجھ بجھکڑ کے جوابات پر ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔

محمد طیب صاحب کی تحریر ''غزوہ تبوک'' بڑی دل سوز تھی۔

تمام قارئین کو میری طرف سے بہت بہت داد، امید ہے، میرا پہلا خط آپ ضرور شائع کریں گے، میری دعا ہے اللہ تعالیٰ مسلمان بچے رسالے کے لئے ترقی کے راہیں ہموار کریں اس کے ساتھ ہی اجازت دیجئے اپنی بہن کو۔

والسلام۔

ارم جاوید

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ مسلمان بچے کے قارئین کرام اور مصنفین اور سب لوگ جو مسلمان بچے کو عمدہ دیدہ

زیب نرالا تیار کرتے ہیں خصوصاً مدیر صاحب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیر و عافیت ہونگے۔

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی سرورق بہت خوبصورت تھا۔ سب کاتبین نے ہمیشہ کی طرح بہت اچھا لکھا لیکن جانباز کو نہ پا کر کچھ پھیکا سا لگتا ہے۔

اور اس کے علاوہ سب کچھ زبردست رہا اور یہ رسالہ پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے اللہ تعالیٰ یہ رسالہ امت مسلمہ کے لئے مبارک بنائے آمین۔

آخر میں تمام مجاہدین اسلام کو خصوصی دعاؤں کی درخواست۔

والسلام

انس عظیم

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب مدیر صاحب کو میری طرف سے سلام اور تمام قارئین کو بھی میرا سلام۔

اس بار کا رسالہ بہت اچھا تھا سب سے پہلی کہانی احسن القصص بہت ہی عمدہ تھی اس کے بعد ''دکھائیں تو کیا دکھائیں'' ساجدہ بتول نے بہت ہی اچھا لکھا ایسے ہی آگے بنت عبد اللہ کی کہانی ''میں کیوں نہ روؤں'' بہت ہی عمدہ لکھی تھی۔

اس کے بعد ''ایک نوجوان کے آنسو یہ بھی بہت اچھی لکھی ہوئی تھی اور ہمیشہ کی طرح راز سر بستہ بہت ہی اچھی تھی اور اس کے ذریعہ چیزوں کو جاننے اور سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

اس کے بعد انداز گلستان یہ بھی ہی عمدہ رہی اور مسلمان بچے کی شان جیسے جانباز تھی ویسے ٹیپو سلطان'' پڑھ کر تاریخی حوالے سے پڑھ کر مزا آتا ہے۔ ''فلسطین تاریخ کے آئینے میں'' یرید احمد نعمانی کی کہانی بہت ہی اچھی تھی۔

''شوق کتب'' ابو کر محمد کی کہانی بھی اچھی تھی۔

اللہ پاک ان کو مزید لکھنا نصیب کرے اور بھی بہت ہی اچھی کہانیاں ہیں ماشاء اللہ بہت ہی اچھا رسالہ تھا اس بار کا۔

اللہ پاک سب کو مسلمان بچے پڑھنے اور لکھنے والوں کو مزید ہمت دیں، صحت اور عافیت والی زندگی دے۔

اللہ پاک جماعت کو بھی بہت زیادہ ترقی دے۔ آمین

ہم سب کی دعاء ہے اور اللہ پاک ہمارے شیخ محترم حفظہ اللہ کو بھی اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

اور اس رسالے کو بھی دن رات ترقی ملے اور اس میں لکھی ہوئی ہر ایک کہانی پڑھنے والے کے دل میں اتر جائے آمین۔

والسلام:

حذیفہ عبد الباری

☆......☆......☆

تحریروں کی دُنیا

نیا دوست

ٹرین پوری رفتار کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ مسافر سیٹوں پر بیٹھے ارد گرد کے خوبصورت نظاروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ علی بھی شیشے کے باہر گاؤں کی ہریالی کو دیکھ کر خوب خوشی محسوس کر رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی جہاں کئی مسافر اترے اور بہت سے چڑھے بھی...... تھوڑی ہی دیر بعد گاڑی نے سیٹی بجائی اور پھر سے چلنے کے لئے تیار ہو گئی اسی دوران علی کے ساتھ بہت سے آدمی آ کر بیٹھ گئے۔

سامنے والی سیٹ پر دو آدمی بیٹھے جو تقریباً ایک ہی ہیئت کے تھے اور آپس میں شکل وصورت بھی ملتی تھی۔ بڑی بڑی مونچھیں، سر پہ کیپ، گلے میں چین، ظاہری اعتبار سے تو چور معلوم ہوتے تھے۔ شروع شروع میں تو علی کو ان سے کچھ خوف سا معلوم ہونے لگا لیکن کچھ ہی دیر میں ایک نوجوان علی کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا، یہ نوجوان بہت اچھے لباس میں تھا۔

نئی شرٹ، جینز کی پینٹ، سنورے بال او رکپڑوں پر عمدہ پرفیوم ...... علی کو اس نوجوان کو دیکھ کر بڑا حوصلہ ہوا اور علی نے اس نوجوان سے باتیں کرنا شروع کر دیں، کچھ ہی دیر میں علی اس نوجوان سے بے تکلف ہو گیا۔ باتوں کے درمیان علی ان دو آدمیوں کی طرف بھی دیکھتا رہتا لیکن وہ دونوں بالکل خاموش رہتے۔ بلکہ آپس میں بھی بات نہ کرتے تھے۔ علی نے اس بات کا تذکرہ اپنے نئے دوست سے بھی کیا لیکن اس نوجوان نے اسے تسلی دی۔

یونہی سفر جاری رہا تو نوجوان نے جیب سے چیونگم نکالے اور علی کی طرف بڑھائے جو علی نے خوش دلی سے قبول کرلیے اور یونہی دونوں میں بات چیت چلتی رہی ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ علی کو نیند آنی شروع ہوگئی اور وہ برتھ پر دراز ہوگیا۔

چند گھنٹوں بعد اس کی آنکھ کھلی تو اسنے دیکھا کہ وہ اپنی برتھ پہ اکیلا ہے اور اس کا نیا دوست موجود نہیں ہے اس نے سوچا کہ شاید اس کا اسٹیشن آگیا ہوگا، اسی سوچ میں وہ برتھ سے اترا اور سیدھا ہوکر بیٹھ گیا، اب علی کو بھوک محسوس ہونے لگی تھی جونہی اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو دھک سے رہ گیا، اس کا بٹوہ اور موبائل غائب تھا۔

اس کا شک فوراً سامنے بیٹھے دو آدمیوں پر گیا، جو مزے سے نیند کے خراٹے لے رہے تھے۔ اس نے شور ڈال دیا کہ مرا سب کچھ لٹ گیا، ایک دم سے بہت سے لوگ جمع ہوئے۔

علی نے سارا ماجرہ سنایا اور آہ و بکا کرنے لگا۔ اسی شور سے ان دونوں آدمیوں کی بھی آنکھ کھل گئی اور علی نے ان دونوں کو قصوروار کہہ دیا لوگوں نے ان سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں تو پیدائشی گونگے ہیں اور تلاشی سے بھی ان سے کچھ برآمد نہ ہوسکا، اب سارا کھیل علی کی سمجھ میں آچکا تھا، لیکن اب کیا ہوتا جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

(مراسلہ: محمد ابوبکر)

☆......☆......☆

کلمہ طیبہ کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت غمگین تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رنجیدہ اور غمگین دیکھ رہا ہوں، یہ کیا بات ہے۔ حالانکہ حق تعالیٰ شانہ دلوں کے بھید جاننے والے ہیں لیکن اکرام و اعزاز اور اظہارِ شرافت کے واسطے اس قسم کے سوال کرائے جاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ جبرائیل مجھے اپنی امت کا فکر بہت بڑھ رہا ہے، قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کفار کے بارے میں یا مسلمانوں کے بارے میں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ مسلمانوں کے بارے میں فکر ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لیا اور ایک مقبرہ پر تشریف لے گئے۔ جہاں قبیلہ بنو سلحہ کے لوگ دفن تھے، حضرت جبرائیل نے ایک قبر پر ایک پر مارا اور ارشاد فرمایا۔

''قُم باذن اللہ'' (اللہ کے حکم سے کھڑا ہوجا)

اُس قبر سے ایک نہایت حسین خوبصورت چہرہ والا اٹھا اور وہ کہہ رہا تھا۔''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ الحمد للہ رب العلمین''، حضرت جبرائیل نے ارشاد

فرمایا، کہ اپنی جگہ لوٹ جا، وہ چلا گیا۔ پھر دوسری قبر پر دوسرا پر مارا اور ارشاد فرمایا، کہ اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔

اس قبر میں سے ایک شخص نہایت بدصورت، کالا منہ گیری آنکھوں والا کھڑا ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا، ہائے افسوس ہائے شرمندگی، ہائے وصیت۔

پھر حضرت جبرائیل نے فرمایا، اپنی جگہ لوٹ جا۔ اس کے بعد حضور ﷺ سے عرض کیا کہ جس حالت پر یہ لوگ مرتے ہیں، اُسی حالت پر اُٹھیں گے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص سو مرتبہ ”لا الہ الا اللہ“ پڑھا کرے اس کو حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کا چہرہ روشن ہوگا۔ حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی زبانیں اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہتی ہیں، وہ جنت میں ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے، کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن میری امت میں سے ایک شخص کو منتخب فرما کر تمام دنیا کے سامنے بلائیں گے اور اس کے سامنے ننانوے دفتر اعمال کے کھولیں گے، ہر دفتر اتنا بڑا ہوگا کہ جہاں تک نظر جائے گی وہاں تک پھیلا ہوگا۔

اس کے بعد اس سے سوال کیا جائے گا کہ ان اعمال ناموں میں سے تو کسی چیز کا انکار کرتا ہے، کیا میرے ان فرشتوں نے جو اعمال لکھنے پر متعین تھے، انہوں نے تجھ پر کچھ ظلم کیا ہے۔ آدمی کہے گا نہیں نہ انکار کی گنجائش ہے نہ فرشتوں نے ظلم کیا۔ پھر ارشاد ہوگا، کہ تیرے پاس ان بداعمالیوں کا کوئی عذر ہے۔ وہ کہے گا کہ کوئی عذر بھی نہیں۔ ارشاد ہوگا، اچھا تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے، آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہے۔

پھر ایک کاغذ کا پُرزہ نکالا جائیگا، جس میں ”اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ“ لکھا ہوا ہوگا۔ ارشاد ہوگا کہ جا اس کو تلوالے وہ عرض کریگا، کہ اتنے دفتروں کے مقابلہ میں یہ پرزہ کیا کام دے گا۔ ارشاد ہوگا، کہ آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا۔ پھر ان سب دفتروں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور دوسری جانب وہ پرزہ ہوگا تو دفتروں والا پلڑا اُڑنے لگے گا اس پرزہ کے وزن کے مقابلہ میں۔

پس بات یہ ہے کہ اللہ کے نام سے کوئی چیز وزنی نہیں ہے۔ یہ اخلاص ہی کی برکت ہے کہ ایک مرتبہ کلمہ طیبہ اخلاص کے ساتھ کا پڑھا ہوا ان سب دفتروں پر غالب آ گیا۔ اللہ کا نام جتنے اخلاص کے ساتھ لیا جائے گا اتنا ہی وزن زیادہ ہوگا۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(انتخاب: بنتِ حسین)

☆......☆......☆

آپ کی پسند

اصل عاشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کے رستے پہ چل کے
دلوں کا سکوں ہم نے حاصل کیا ہے
لگا ہے نشہ جب سے جنت کا ہم کو
اچاٹ اپنا جی اس جہاں سے ہوا ہے
وہ طائف کی وادی میں کھا کھاکے پتھر
تمہارے لیے جو تڑپتا رہا تھا
اسی کے طریقے کو پیروں سے روندا
زرا خود بتاؤ یہ کیسی وفا ہے
یہ وہ موت ہے دوستو جس کی خاطر
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مانگیں تھی رب سے دعائیں
لگایا ہے یہ جام ہونٹوں سے جس نے
خدا کی قسم وہ امر ہوگیا ہے
سنو احد کے پار سے یہ صدائیں
انس بن نذرؓ کی تمہیں کہہ رہی ہیں
جو اللہ کی راہ میں جاں لٹادے
وہی اصل میں عاشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے
مصائب کے میدان میں کود پڑنا
طلب میں شہادت کی دل کا مچلنا
خدا کے لئے سارے عالم سے کٹنا
حقیقت میں فردوس کا راستہ ہے
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کے رستے پہ چل کے
دلوں کا سکوں ہم نے حاصل کیا ہے

(مراسلہ: عاتکہ جمیل مانو)

☆......☆......☆

قبر کی پکار

قبر کرتی ہے روزانہ یہ پکار
مجھ میں کیڑے مکوڑے بے شمار
میں ہوں اندھیری کوٹھڑی
مجھ میں ہوگی وحشت بڑی
مجھ میں تو اکیلا آئے گا
ہاں مگر عمل ساتھ لائے گا
بے حد روئے گا، چلائے گا
اپنے گناہوں پہ بے حد پچھتائے گا
ساتھ جگری یار نہ آئے گا
ہر اک دفنا کے تجھے پلٹ جائے گا
نہ مال کوئی کام آئے گا
کیا اچھا، براجو وہ ساتھ لائے گا
کرلے توبہ وقت ہے ابھی

رب کی رحمت ہے بہت بڑی
ورنہ مجھ میں ہوگی وحشت بھری
لال مسجد تیری حرمت پہ
خون کے آنسو روئے ہیں ہم
ظالموں نے کیا حال کیا، تیرے باغ باغیچوں کا
پھول تھے جو غازی جسے بے دردی سے انکو شہید کیا
تیرے جانثاروں نے اپنا خون دے کر
تیری عظمت میں اور ہے اضافہ کیا
مولانا عبدالعزیز کے بارے میں کیا کہوں
ان کی ہمت کوتو ہم نے تہہ دل سے ہے سلام کیا
پھیلی ہے چاروں اطراف شہداء کے لہو کی خوشبو
ایسی خوشبو کہ جس نے سارے عالم کو حیران کیا
گواہوں کے بوچھاڑ میں جوگھبرایا نہ وہ غازی تھا
غازی تیرے صدقے میں تونے اورسلام کااونچانام کیا

(انتخاب: محمد نصراللہ)

☆......☆......☆

سبق حاصل کرو

کہیں دور ڈوبتے سورج کو دیکھ کر
آیا یہ خیال میرے دل میں ابھر کر
ختم ہو جائے گی ایسے ہی زندگی
حاصل کرو سبق تم اسے دیکھ کر
کر لو جو کرنا ہے ابھی وقت ہے
جو چلاگیا یہ تو آئے گا نہ لوٹ کر
منا لو یہیں اپنے رب کریم کو
تھام لو ابھی سے دامن رحیم کو
سجا لو سنتِ نبیؐ سے معمولات کو
لگا لو ابھی سے ذکر میں حیات کو
جب آئیگی نہ کسی کی سفارش بھی کام
ان سب سے ملے گا آخرت میں آرام

(مراسلہ: میمونہ ایمان)

☆......☆......☆

شہید افضل گورو!

وادیٔ کشمیر کا نوجوان شہید افضل گورو، جس کا کردار آنے والی نسلوں کے لئے مثال بن کرجگمگا تا رہے گا۔

اک ستارہ تھا میں، کہکشاں ہوگیا
حب یزداں کا اک استعارہ تھا میں، داستاں ہوگیا
میرا نامۂ اعمال سمجھوزرا، روشنی ہی تو ہے
میرا لاشئہ پامال دیکھوبھلا، زندگی ہی تو ہے
ہاں یہی زندگی ہے میرے دوستو! یہی زندگی ہے
میں نے سوچا تھا یہ گر نہ دین مبین پر یہ ہوتی فدا
اورکس کام آنی تھی یہ زندگی؟ہاں یہی زندگی
قید ِدنیا سے جب میں گزرنے لگا
بندگی کا سفر جب میں طے کر چکا
میں نے دھیرے سے یہ ساتھیوں سے کہا
میں شہید اب ہوا
اک ستارہ تھا میں کہکشاں ہوگیا
شوقِ جنت کی شمع فروزاں رہی
دل تودل ہی تھا زخم اس نے کھانے ہی تھے
روح لیکن مری پھر بھی شاداں رہی
میرے مالک نے مجھے بھری بزم میں اس طرح چُنا
غازیوں کی طویل ایک فہرست میں
فرطِ رحمت سے روشن نشان کردیا

نورِ قرآن کو میرا بیان کردیا
حب احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رطب اللسان کردیا
اک ستارہ تھا میں، کہکشاں ہوگیا
دل میں طائف کا منظر بسا جب لیا
خُلق میرا نسیم سحر ہوگیا
اور بدرو اُحد کا سبق جب پڑھا
عزم قطرہ تھا میرا بحر ہوگیا
حق کی راہوں میں مرنا تو آسان ہے
جینا مشکل ہے جی کر بھی دکھلا دیا
میرے کردار کا، میرے اخلاص کا
ایک اک نقش پا، صدقۂ جاریہ
عشق راہوں میں یوں جاوداں ہوگیا
اک ستارہ تھا میں، کہکشاں ہوگیا
جب محبت کی تاریخ لکھی جائے گی
قافلۂ حجازِ مقدس کا جب تذکرہ آئے گا
عاشقانِ حبیب جہاں میں وہاں میرا نام آئے گا
پھر صحیفے جو محبت کے ہوں گے نشر
ان جہادی فضاؤں میں گزرا ہوا
میری غربت کا عسرت کاایک ایک پل
میرے کام آئے گا
ساتھیو! زخم سینے پہ کھاتے چلو
رب سے ملنا ہے تو مسکراتے چلو
حب احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع جلاتے چلو
تم نے سیکھا ہے جو کچھ سکھاتے چلو
یوں تمہارے لیے بھی ہماری طرح
شوق کی راہ کا وہ مقام آئے گا
حوضِ کوثر پہ جب ان کی سرکار سے
بڑے پیارے سے حلاوت بھرا ایک جام آئے گا
خالقِ دوجہاں کا انعام آئے گا
اک ستارہ تھا میں، کہکشاں ہوگیا

(انتخاب۔عفیرہ بنتِ ابراہیم اطہر)

☆......☆......☆

ختمِ نبوت زندہ باد

ہم ختم نبوت کی اک دھوم مچادیں گے
یہ عہد ہمارا ہے جان اپنی لٹا دیں گے
مرزا بھی کمینہ تھا یار اس کے کمینے ہیں
اللہ کے فضل سے ہم نام ان کا مٹادیں گے
مرزائیوں کی سب چیزیں خنزیر سے بدتر ہیں
شیزان کی سب اشیاء ہم جڑ سے مٹادیں گے
لیٹرین میں مرگیا وہ خنزیر جو کانا تھا
مرزائیوں کو ہم اپنی دھرتی سے اٹھادیں گے
کہتا تھا جو خودکو خود نبی وہ خنزیر پکا تھا
اس گندی نجاست سے دین اپنا بچالیں گے
ہم ختم نبوت کو کام اپنا بنالیں گے
اس عزم پہ تن من دھن سب اپنا لٹا دیں گے
اللہ جو کہہ دے یہ تو کیا ہی مزہ ہوگا
عاجز کی یہ بخشش کا ہم سامان بنادیں گے

(انتخاب۔عبدالواجد عاجز)

☆......☆......☆

آرٹ گیلری

محمد احمد

خالدہ صدیقی

ہمشیرہ محمد احمد

حبیبہ رحمان

اشفاق حسین

کنول شہزادی

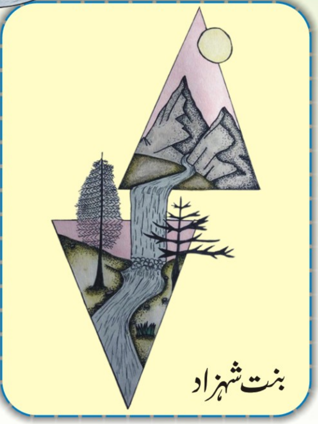
بنت شہزاد

بنت حبیبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات خالوخیل

صلی اللہ علیہ وسلم
محمد
جامعہ فاطمۃ الزہرا للبنات خالوخیل

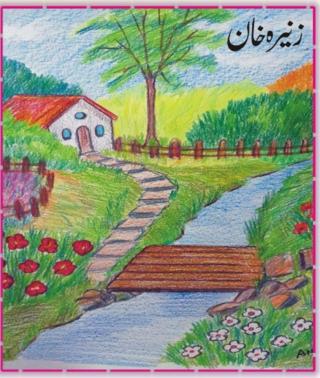
زنیرہ خان

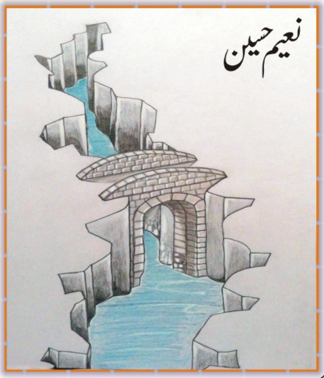
نعیم حسین

آؤ جان لٹاتے ہیں

عابدالرحمٰن

آقا کی حرمت پر آؤ جان لٹاتے ہیں
آقا کی عزت پر آؤ جان لٹاتے ہیں

ہمارے وہ محسن ہیں ہمارے وہ رہبر ہیں
رہبر کی عظمت پر آؤ جان لٹاتے ہیں

اپنوں اور غیروں کو دیا سبق محبت کا
اس پیاری محبت پر آؤ جان لٹاتے ہیں

روتے تھے شام و سحر ہم پر میرے آقا
اس محسن اُمت پر آؤ جان لٹاتے ہیں

آگے وہ بڑھتے تھے ہر ایک غزوہ میں
اس عظیم شجاعت پر آؤ جان لٹاتے ہیں

ہے اس کی اطاعت میں دنیا کا امن قائم
امن کی اس علامت پر آؤ جان لٹاتے ہیں

کافر جو مٹاتے ہیں آقا کی سنت کو
آج ہر ایک سنت پر آؤ جان لٹاتے ہیں

جو جان لٹاتے ہیں آقا کے تقدس پر
ایسے صحابہؓ کی قسمت پر آؤ جان لٹاتے ہیں

آقا کی حرمت پر آؤ جان لٹاتے ہیں
آقا کی عزت پر آؤ جان لٹاتے ہیں